www.mohaddis.com

مدیر اعلیٰ
حافظ عبد الرحمن مدنی

ملتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

محدث

جولائی ۲۰۰۶ء

۲ بچپن میں اسلامیات کی تعلیم
۳۶ پرویز اپنے الفاظ کے آئینے میں اور طلوعِ اسلام
۱۶ حدیثِ لولاک کا تحقیقی جائزہ

مجلس التحقیق الاسلامی
ISLAMIC RESEARCH COUNCIL
PAKISTAN
301

ماہنامہ
محدث
لاہور

ماہنامہ 'محدث' لاہور کا اجمالی تعارف

مُدیر اعلیٰ: حافظ عبدالرحمٰن مدنی **مُدیر:** ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ماہنامہ 'محدث' لاہور، ہندوستان سے نکلنے والے ایک رسالے کی ہی ارتقائی شکل ہے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے نکلنے والے رسالے - جس کا نام محدث تھا- کو پروان چڑھاتے ہوئے تقسیمِ ہند کے بعد دوبارہ ماہنامہ 'محدث' لاہور کے نام سے پاکستان میں معروف عالم دین ودانشور حافظ عبدالرحمٰن مدنی حفظہ اللہ نے اس کا اِجراء کیا۔ یہ تحقیقی رسالہ ۱۹۷۰ء سے اب تک کامیابی وکامرانی سے شائع ہو رہا ہے، وللہ الحمد!

محدث کی علمی پہچان کے حوالے سے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ہر صاحبِ علم وفضل کی ضرورت بن چکا ہے کیونکہ اس کے مضامین جدید فکر کے حامل اور ملحدانہ افکار کیلئے شمشیر بے نیام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

گھر بیٹھے 'محدث' وصول کیجئے!

قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کیلئے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں!

فی شمارہ: ۲۰روپے زرِ سالانہ: ۲۰۰روپے بیرون ملک: ۲۰ڈالر

بذریعہ منی آرڈر رببنک ڈرافٹ ۲۰۰روپے بھیج کر سال بھر گھر بیٹھے محدث وصول کریں اور علمی وتحقیقی مضامین سے استفادہ کریں۔ ایڈریس: ماہنامہ محدث، ۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۵۴۷۰۰

فون نمبر: 042 - 3586639 / 35866476 موبائل: 0305 - 4600861

انٹرنیٹ پر محدث پڑھنے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کیلئے درج ذیل ویب سائٹ دیکھئے!

www.mohaddis.com __ www.kitabosunnat.com

مزید تفصیلات کیلئے: webmaster@kitabosunnat.com

اجرائے مُحدث کے مقاصد

☜ عناد اور تعصّب قوم کیلئے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں!

لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم اُمت کیلئے رحمت کا باعث ہے۔

☜ علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں!

لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

☜ غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے!

لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیت دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

☜ تبلیغ دین اور اشاعت اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالح دینیہ کے خلاف ہے!

لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین ومسائل اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

☜ آئین وسیاست سے بیگانہ رہ کر عبادت کیلئے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے!

لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی۔

☜ جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے!

لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ **محدث** لاہور

کا مطالعہ فرمایئے، آپ اس کو ان جملہ صفات ومحاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ!

کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

ملت اسلامیہ کا علمی و اصلاحی مجلہ
ماہنامہ محدث
لاہور پاکستان

جلد ۳۸ / شمارہ ۷
جمادی الآخر ۱۴۲۷ھ
جولائی ۲۰۰۶ء

مُدیر اعلیٰ
حافظ عبد الرحمن مدنی

مُدیر
حافظ حسن مدنی
0333-4213525

زر سالانہ ۲۰۰ روپے
فی شمارہ ۲۰ روپے

بیرونِ ملک
زر سالانہ ۲۰ ڈالر
فی شمارہ ۲ ڈالر

Monthly MUHADDIS A/c No: 984
UBL - Model Town Crossing, Lahore

دفتر کا پتہ :
۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن
لاہور 54700
5866476
5866396
Email: hhasan@wol.net.pk

Publisher
Hafiz Abdul Rahman Madani

Printer
Shirkat Printing Press, Lahore

فہرست مضامین

فکر و نظر
بچپن میں 'اسلامیات' کی تعلیم — حافظ حسن مدنی — ۲

حدیث و سنت
احادیثِ لولاک کا تحقیقی جائزہ — محمد اسلم صدیق — ۱۶

دار الافتاء
نماز میں سر ڈھانپنا، آسمان وزمین کی تخلیق؟ — حافظ ثناء اللہ مدنی — ۳۰

تحقیق و تنقید
'پرویز' اپنے الفاظ کے آئینے میں...... — پروفیسر محمد دین قاسمی — ۳۶

کتب احادیث
جامع ترمذی کا ایک تعارف — مولانا محمد شفیق مدنی — ۶۰

نقد و نظر
غزل — محمد رفیق چودھری — ۷۱
کیا سورۃ النصر مکی ہے؟ — محمد رفیق چودھری — ۷۲
غامدی نامہ — // — ۷۸

محدث کتاب و سنت کی روشنی میں آزادانہ بحث و تحقیق کا حامی ہے ادارہ کا مضمون نگار حضرات سے کلّی اتفاق ضروری نہیں!

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فکر ونظر

بچپن میں 'اسلامیات' کی تعلیم ؟

مسلم دنیا کو بالعموم اور اہم اسلامی ممالک کو بالخصوص ان دنوں مغرب کی طرف سے شدید تعلیمی یلغار کا سامنا ہے۔ نیو یارک کے بم دھماکوں کے بعد سے مسلم دنیا میں امریکہ مخالف جذبات کے خاتمے کے لئے گلوبلائزیشن کے نام پر نیوورلڈ آرڈر کو عملاً نافذ کیا جارہا ہے۔ تعلیم کے میدان میں جاری اس معرکے کو جہاں عالمی سیاست کے ذریعے تقویت دی جارہی ہے وہاں مسلم قوموں کی ذہنیت میں تبدیلی کا یہ عمل ذرائع ابلاغ کے ذریعے بھی پورا کیا جارہا ہے۔ ایسا صرف پاکستان میں ہی نہیں کہ یہاں نظامِ تعلیم کو ملک وملت دشمن گروہ آغا خانیوں کے سپرد کیا گیا ہو، تعلیمی نصاب سے اسلامیات کے خاتمے کی باتیں ہورہی ہوں، انگریزی کا فروغ اور اسے پہلی کلاس سے لازمی قرار دیا جارہا ہو اور عربی کو دیس نکالا دینے کے لئے عربی کو اختیاری مضمون بنایا اور عربی اساتذہ کی آسامیوں کا اعلان ہی بند کردیا گیا ہو بلکہ تعلیمی رجحانات میں یہ تبدیلی خصوصاً سعودی عرب، کویت، مصر اور یمن میں بھی امریکی دباؤ پر عمل میں لائی جارہی ہے۔ حج کے موقع پر سعودی عرب کے دورے میں راقمنے ریاض میں بہت سے نئے خواتین کالج اور یونیورسٹیاں کھلتی دیکھیں۔ کویت کے ۳۵ سالہ قدیم نصاب میں دو برس قبل بنیادی نوعیت کی تبدیلیاں کی جاچکی ہیں، یہی صورتحال دیگر مسلم ممالک میں بھی ہے۔

کسی قوم کی تبدیلی میں دو عناصر بنیادی اہمیت رکھتے ہیں اور یہ دونوں عناصر 'تعلیم' کے ہی دو مراحل ہیں۔ ایک وہ تعلیم ہے جو انسان درسگاہوں میں حاصل کرتا ہے اور دوسری وہ تعلیم جس سے ابلاغ اور میڈیا کے نام پر قبر تک انسان کا ساتھ برقرار رہتا ہے۔ امریکہ اور یورپ یہ جان چکے ہیں کہ وہ قوت کے ذریعے اگر اپنے استعماری مقاصد پورے کرتے ہیں تو اس کے نتیجے میں مسلمانوں میں شدید ردِّ عمل پیدا ہوتا ہے، اس لئے ان کی نظر میں تبدیلی قوت کی بجائے اس ڈھنگ پر کی جائے کہ سوچنے سمجھنے کے پیمانے ہی بدل جائیں اور اسی مقصد کے لئے عالم اسلام میں یہ نیا سٹیج سجایا گیا ہے۔ اگر کسی قوم کے ذہن اور خیالات غیروں سے

www.KitaboSunnat.com

مستعار لئے ہوئے ہوں، مرعوبیت اور محکومیت کو ان کی جڑوں میں پیوست کر دیا گیا ہو تو اس قوم کے احیا کے امکانات معدوم تر ہو جاتے ہیں۔

پاکستان میں اسلامیات کی تعلیم کا موضوع کچھ عرصہ سے کافی حساسیت اختیار کر گیا ہے۔ حکومت ِوقت امریکی اشاروں پر نونہالانِ قوم کو غیروں کے سپرد کرنے میں والہانہ پن کا مظاہرہ کررہی ہے۔ بالخصوص گذشتہ ماہ ۱۰ جون کو وفاقی وزیر تعلیم کے صوبائی وزراء تعلیم کی ۱۰ویں کانفرنس میں نئی قومی تعلیمی پالیسی پیش کرنے کے بعد یہ موضوع دوبارہ بحث ومباحثہ کا مرکز بن گیا ہے۔ اس موقعہ پر ۱۱ جون کے اخبارات میں جلی سرخیوں سے شائع ہونے والا وفاقی وزیر تعلیم کا یہ بیان مغالطہ آمیز ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ ''اسلامیات پہلی سے بارہویں جماعت تک پڑھائی جائے گی۔'' جبکہ بعض اخبارات میں اشاروں کنایوں سے یہ خبریں بھی شائع ہوئی ہیں کہ اسلامیات کا مضمون پہلی اور دوسری کلاس سے ختم کر دیا گیا ہے۔ روزنامہ 'خبریں' نے تو دورانِ اجلاس اسی بنا پر صوبہ سرحد اور بلوچستان کے وزرائے تعلیم کے واک آوٹ کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ علاوہ ازیں اسلامیات کے نصاب سے طریقۂ نماز کو بھی ختم کیا جاچکا ہے، یہ خبر روزنامہ 'اوصاف' نے ۱۱/جون کو شائع کی۔ بعد میں دیگر اخباری ذرائع سے یہ بھی پتہ چلا ہے کہ عربی کو بھی لازمی کی بجائے اختیاری مضمون کی حیثیت دے دی گئی ہے۔

اسلامیات کو پہلی کلاسوں سے نکالنے کی ضرورت کیا ہے؟ اس کے لئے ہمیں تعلیم کے بعض عصری تصورات پر نظر ڈالنا ہوگی۔ سیکولر دانشوروں کے نزدیک انسان پر پہلا حق اس ریاست کا ہے، جہاں وہ پیدا ہوا اور جس سے اس کے والدین فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ انسان کو اپنے وطن کی خدمت کو اپنا پہلا مقصد بنانا چاہئے اور اس کی تعلیم کو ریاستی مفادات کے تابع ہونا چاہئے۔ ان کے خیال میں ریاست کو آگے بڑھنے کے لئے جس طرح کے انسان درکار ہیں، ان کی تیاری میں خاندان یا مذہب کو کوئی دخل نہیں دینا چاہئے۔

راقم کے دورۂ امریکہ میں واشنگٹن میں ایک مسلمان باپ اظہر حسین سے میرا مکالمہ ہوا۔ وہ دین دار آدمی امریکی سکول کی انتظامیہ سے یہ بات کرنے آیا تھا کہ اس کی چھوٹی بچی کو دوسرے لڑکوں کے ساتھ دوستی کا ماحول اور ترغیب نہ دی جائے کیونکہ یہ امر اس کے دینی نظریات کے خلاف ہے اور مسلم تہذیب میں لڑکیوں کی دوستی لڑکیوں سے ہی ہوتی ہے۔ سکول انتظامیہ نے جواباً اسے کہا کہ آپ اپنی بچی کو اپنے ذاتی رجحانات کے تابع رکھنا چاہتے ہیں

www.KitaboSunnat.com

جب کہ ہم 'انفرادیت پسندی' پر یقین رکھتے ہیں۔ آپ بچی کو لے جاسکتے ہیں، اس طرح کی پابندی کوئی امریکی سکول قبول نہیں کرسکتا۔ اس واقعہ سے بخوبی پتہ چل جاتا ہے کہ جدید دنیا میں بچے کی تربیت کا حق ریاست کے سپرد کردیا گیا ہے تاکہ وہ اپنے زیر نگرانی سکولوں اور نظامِ تعلیم کے ذریعے اپنی صوابدید کے مطابق بچوں کو مستقبل میں ریاست کا مفید شہری بنا سکے۔

دوسری طرف اسلام بچے پر سب سے پہلا حق اللہ تعالیٰ کا قرار دیتا ہے، کیونکہ وہ اللہ ہی انسان کا خالق و مالک ہے، انسان کی تمام صلاحیتیں اسی کی عطا کردہ ہیں، اس نے دنیا میں انسان کو اپنی عبادت اور خیر وشر کے ایک امتحان سے گزرنے کے لئے پیدا کیا جس پر قرآنِ کریم کی بیسیوں آیات شاہد ہیں۔ اسلام کی نظر میں انسان کی تعلیم ایسی ہونی چاہیئے جو اسے اللہ کی ہدایات کے مطابق زندگی گزارنا سکھائے۔ مغرب اسی دنیا کے مفاد (عاجل) کو پیش نظر رکھتا ہے لیکن اسلام اس دنیا کے نتائج کو آخرت سے مربوط کرتا اور آخرت میں بہتر انعامات کا وعدہ (آجل) دیتا ہے۔ گویا دونوں کے ہاں زندگی کے بنیادی نظریات میں ہی فرق ہے۔

تعلیمی نظریات ایک لمبا موضوع ہے۔ جس پر بہت سی تفصیلات اور متعدد نکتہ ہائے نظر پائے جاتے ہیں، ہرایک کے اپنے دلائل ہیں لیکن افسوس اس وقت ہوتا ہے کہ جب اسلام کا نام لینے والے بعض دانشور بھی تعلیم کے نام پر مغربی افکار کی 'جگالی' کرتے نظر آتے ہیں۔ یہ لوگ انسان کو مذہب کی رہنمائی سے نکال کر ریاست کے قبضے میں دینا چاہتے ہیں جس پر خود چند انسانوں کا قبضہ وتسلط ہے۔ آسان الفاظ میں اسلام اگر ہمیں صرف اللہ کی اطاعت کا پابند کرتا ہے تو یہ نام نہاد 'دانش باز' ریاست کے نام پر ہمیں اپنے جیسے کئی انسانوں کا غلام بننے اور دنیاوی مفادات کے تابع زندگی گزارنے کی دعوت دیتے ہیں۔

حکومت کی حالیہ پالیسی میں اسلامیات کے حوالے سے کئے جانے والے اقدامات بالکل ناروا ہیں۔ سب سے پہلے تو یہ بات غور طلب ہے کہ اسلامیات کو ابتدائی کلاسوں سے نکالنے سے کیا مقصد پورا ہوتا ہے؟ اس کی ضرورت یا فائدہ کیا ہے کہ بچے کو بنیادی عقائد، اللہ تعالیٰ اور نبی کریم ﷺ کے مقدس ناموں سے محروم کردیا جائے؟ کیا یہ اسی سیکولرازم کا کرشمہ ہے جس کی رو سے اجتماعی میدانوں مثلاً سرکاری تعلیم وغیرہ میں مذہبی تفصیلات کو ممنوع قرار دیا گیا ہے اور اسے ہر شخص کی ذاتی صوابدید پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ مغرب میں یہ نظریہ ماضی میں یہودیوں نے بڑے شد ومد سے پیش کیا کیونکہ خود اُنہوں نے اپنے بچوں کی گھروں میں دینی تعلیم کی

www.KitaboSunnat.com

روایات پختہ کررکھی تھیں۔ حال ہی میں امریکہ میں جب دینی تعلیم کو سرکاری سکولوں میں دینے کی بات ہوئی تو اس وقت بھی امریکہ میں یہودی لابی نے پوری قوت سے اس نظریہ کی تردید کی اور یہ موقف اختیار کیا کہ امریکی ریاست کے شہری کسی مذہب کے فروغ کے لئے ٹیکس ادا نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ میں مذہبی تعلیم سرکاری نظام تعلیم کی بجائے ہزاروں پرائیویٹ مذہبی سکول (دینی مدارس) میں دی جاتی ہے۔ ہر مالی استطاعت رکھنے والا سرکاری نظامِ تعلیم کو چھوڑ کر مذہبی سکولوں میں اپنے بچے داخل کرانے کو ترجیح دیتا ہے اور مستقبل کی امریکی قیادت انہی سکولوں سے نکل رہی ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ یہ سکول ابتدائی کلاسوں کے ہی ہیں، ثانوی مراحل کے نہیں جس سے مذہبی تعلیم کے مرحلہ کا بھی علم ہوجاتا ہے۔

یہاں یہ امر بھی خصوصی توجہ کا مستحق ہے کہ کیا ضرورت ہے کہ اخلاقیات کو اس ذاتِ نبوی ﷺ سے کاٹ کر سکھایا جائے جن کا مقصدِ بعثت ہی مکارمِ اخلاق کی تکمیل تھا؟ اس سے کونسے مذموم مقاصد پورے ہوتے ہیں؟ مسلمانوں کی نظر میں اخلاقیات کی میزان خود دین اسلام کے ذریعے ہی قائم ہوتی ہے۔ اگر اخلاقیات کی اس مسلمہ بنیاد کو چھوڑ کر خودساختہ تصورِ اخلاق وضع کرلیا جائے تو بے حیائی، فحاشی، آزادانہ اختلاط اور بدکاری وغیرہ کو بھی اخلاقیات کے زمرے سے باہر نکالنا ممکن نہیں رہتا۔

طریقہ نماز کا خاتمہ بھی ایک ذومعنی اقدام ہے۔ پاکستان کی تعلیمی پالیسیاں آغاز سے ہی محض اسلام سے ذہنی محبت اور دلی وابستگی تک محدود رہی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ پاکستان کے مسلمان آج بھی ذہنی اور جذباتی حد تک تو اسلام سے گہرا لگاؤ رکھتے ہیں لیکن چونکہ ان پالیسیوں میں اسلامی احکامات کو عملاً اختیار کرنے کا ہدف کبھی پیش نظر نہیں رکھا گیا، یہی وجہ ہے کہ اس گہری جذباتی وابستگی کے ساتھ عملاً پاکستانیوں کی اکثریت نہ صرف اسلامی احکام ومسائل سے لاعلم ہے بلکہ اس وجہ سے ان پر عمل بھی نہیں کر پاتی۔ چنانچہ اسی پالیسی کو آگے بڑھاتے ہوئے بچے کھچے اسلامی احکامات کو بھی اسلامیات کے نصاب سے خارج کیا جارہا ہے۔

اسلامیات کے نصاب کو مستقل طور پر نہ پڑھانے کی بجائے اسے دیگر مضامین میں جذب کردینے سے بھی پالیسی سازوں کے اس تحفظ کا اظہار ہوتا ہے کہ وہ اسلامیات کو نظر انداز کرنا اور طلبہ کے ذہن سے اس کی اہمیت کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔

دراصل آغاز سے مذہبی تعلیم کا خاتمہ ایک تدریجی عمل کا آغاز ہے جس میں مستقبل کا

www.KitaboSunnat.com

منظر نامہ بخوبی نظر آرہا ہے۔حکومتِ وقت نے اِس تعلیم کے خاتمے کی وجہ بیان کرتے ہوئے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ اس تعلیم سے فرقہ واریت پیدا ہوتی ہے۔ ہماری نظر میں فرقہ واریت کی بجائے اُنہیں اس کے لئے زیادہ موزوں لفظ 'مذہبی منافرت' استعمال کرنا چاہئے تھا۔ کیونکہ فرقہ واریت کا اطلاق تو مسلمانوں کے مابین ہوتا ہے جبکہ عقائد کے خاتمہ اور اخلاقیات کو اسلام سے کاٹ کر پڑھا دینے سے مسلم اور غیر مسلم کا تشخص ہی مٹنا شروع ہوجاتا ہے۔ مذہبی بنیادوں پر قوم کی یہ تقسیم جدید تصورِ ریاست کے لئے جو وطن کی بنیاد پر قائم ہے، ناقابل قبول ہے اور اسی کے خاتمے کی راہ ہموار کی جارہی ہے، لیکن یاد رہے کہ ایسا کرنا پاکستان کے مقصد وجود اور نظریہ پاکستان سے کھلا انحراف ہوگا کہ اس خطہ کا اسلامی تشخص ہی ختم کردیا جائے۔

بچپن کی تعلیم کی اہمیت مسلمہ ہے۔انسان اپنے ماضی کا اسیر ہے، بالخصوص اس کے بچپن کے چند سال جس ماحول میں بسر ہوئے ہیں، اس سے وہ ساری زندگی باہر نکل نہیں پاتا۔ مثال کے طور پر ان سالوں میں اگر اسے نظراندازی کی اذیت یا غربت کی تکلیف سے دوچار ہونا پڑا ہو تو زندگی بھر وہ لاشعوری طور پر ان کے تدارک میں لگا رہتا ہے۔ ایسے ہی بچپن میں انسان کی سیکھنے کی صلاحیت انتہائی تیز ہوتی ہے اور علم کے کسی شعبہ میں سب سے پہلا جو تعارف اسے حاصل ہوتا ہے، وہ اس کے دل و دماغ میں جڑ پکڑ جاتا ہے۔ عمر کے اس دور میں جب انسان کسی نظریے کے تجزیے کے قابل نہیں ہوتا، کچے ذہن کو ملنے والی تمام معلومات اس کے ذہن کی بنیادی ساخت کو تشکیل دیتی ہیں۔ عربی زبان کا ایک مقولہ ہے : العلم في الصغر كالنقش على الحجر "بچپن کا علم پتھر پر لکیر کی مانند ہے۔"

انسان کی فکر و نظر کے زاویے اوائل عمری میں ایک رخ اختیار کرلیتے ہیں، نفسیات کے ماہرین کے نزدیک انسان اپنی فکری شخصیت کا بیشتر حصہ اپنی زندگی کے پہلے عشرے میں پورا کرلیتا ہے، اس کے بعد مزید علمی تفصیلات کو اسی کی روشنی میں پرکھتا اور اختیار کرتا ہے۔

◉ چند برس قبل راقم کو اسلام آباد میں ہائر ایجوکیشن بورڈ کے چیئرمین سے ایک مسجد میں ملاقات کا موقع ملا۔ موصوف نیک خیالات کے حامل تھے اور طلبہ میں دین سے دوری کا شکوہ کررہے تھے۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ ایک ذمہ دار عہدے پر موجود ہیں، آپ خود اس سلسلے میں کیوں اقدام نہیں کرتے؟ تو چیئرمین صاحب کا جواب یہ تھا کہ بچے جب ہمارے زیرنگرانی تعلیمی مرحلے میں داخل ہوتے ہیں، اس وقت تک وہ ایک ذہن بنا چکے ہوتے ہیں،

www.KitaboSunnat.com

اس مرحلہ پر ان کو دین کے قریب لانا ہمارے لئے ممکن نہیں رہتا۔ یہ بات تو اس دور کے ایک ماہر تعلیم کی ہے، مسلم تاریخ کے نامور ماہرین تعلیم وسماجیات کی آرا بھی ملاحظہ فرمالیجئے:

◉ علامہ ابن خلدون نے اپنی مشہور زمانہ تصنیف مقدمة میں بچوں کے لئے تعلیم قرآن کی ضرورت اور حفظِ قرآن کی اہمیت پر خوب تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ان کا موقف یہ ہے کہ ''بلادِ اسلامیہ میں قرآنِ کریم کی تعلیم کو تمام مراحل تعلیم کی اساس ہونا چاہئے کیونکہ یہ دین اسلام کا وہ بنیادی نامۂ ہدایت ہے جو عقیدہ میں پختگی اور ایمان میں رُسوخ پیدا کرتا ہے۔''

◉ مشہور اسلامی ماہر اجتماعیات ابن سینا نے بھی اپنی کتاب السیاسة میں ''بچے کی تعلیم کا قرآن کریم سے آغاز کرنے کی نصیحت کی ہے جیسے ہی جسمانی اور عقلی طور پر بچہ اس کے اہل ہوجائے تاکہ وہ دنیا کی بہترین زبان (عربی) سے مانوس ہوجائے اور اس کے دل میں ایمان کے بنیادی تصورات جڑ پکڑ جائیں۔''

◉ امام غزالی نے إحياء علوم الدين میں سکول میں بچے کی تعلیم کی ترتیب بیان کرتے ہوئے سب سے پہلے قرآنِ کریم، فرامین نبویہ، نیک لوگوں کی حکایتیں اور فقہی احکام کی تعلیم کو پیش کیا ہے۔ (جلد۳/صفحہ۷۳،طبع دار المعرفہ، بیروت)

◉ موقر جریدہ روزنامہ 'نوائے وقت' کے ایک مراسلہ میں بھی یہی بات کہی گئی ہے:

''اسلامیات کو غیر ضروری سمجھ کر تیسری کے بعد کیوں پڑھایا جائے، حساب خاصا مشکل مضمون ہے، دو اور دو چار کرنے کا علم بھی تیسری کے بعد دیا جاسکتا ہے۔ سائنس میں آئے دن نظریات بدلتے رہتے ہیں، سائنس بھی تیسری کے بعد پڑھائی جاسکتی ہے۔کلمہ پڑھانے، اللہ کی پہچان اور رسول کی محبت ہی تیسری کے بعد کیوں؟ سیکھنے کے لئے ابتدائی عمر ہی بہترین ہے، بعد میں بچے کا ذہن کھیل کود اور دیگر مشاغل میں لگ جاتا ہے۔ پانچ سال کے بچے کو جو سکھایا جائے، اس کا ذہن کمپیوٹر کی طرح اسے تادمِ آخر محفوظ رکھتا ہے۔'' (۱۱/جون ۲۰۰۶ء)

ذیل میں ہم اسلامی شریعت کی بعض نصوص کا تذکرہ کرتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان کی رہنمائی کے لئے نازل فرمایا ہے۔ وہ راسخ العقیدہ مسلمان جنہیں ایمان کی دولت نصیب ہے، اُن کے لئے فرامین نبوی اور اُسوۂ حسنہ آنکھوں کا سرمہ ہے اور اُنہیں اللہ کی آیات سے ہی دلی سکون واطمینان نصیب ہوتا ہے، رہے دانشور تو ان کے پاس تاویلاتِ فاسدہ اور توجیہاتِ نادرہ کا ایک انبار ہے، جس میں وہ حیران پھرتے ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

'بچپن میں مذہبی تعلیم' شریعتِ اسلامیہ کی نظر میں

اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان پر اس قدر دینی علم سیکھنا ضروری قرار دیا ہے جس حد تک اسے اپنی زندگی میں واسطہ پیش آئے تاکہ ان مسائل میں وہ شرع کی رعایت رکھ سکے اور اس کے لئے دینی احکام بجالانا ممکن ہوسکے۔ (اس کی تفصیل پر مستقل مضمون 'محدث' میں ملاحظہ فرمائیں)

ہمارے پیش نظر مسئلہ یہ ہے کہ یہ تعلیم کس مرحلہ پر دی جائے؟ اس سلسلہ میں بطورِ خاص نماز اور دینی عقائد کی تعلیم کا بھی انکار کیا جاتا ہے، کیونکہ ہماری حکومت نے بچپن میں نماز کی تعلیم کا خاتمہ کرنے کی بات کی ہے اور بعض نام نہاد دانشوروں اور سرکاری ملاؤں نے مذہبی تعلیم کو محض اخلاقیات تک محدود کرکے عقائد کی تعلیم کو بھی خارج قرار دینے کا موقف پیش کیا ہے، ذیل میں ہم ان آیات اور احادیث کو پیش کرتے ہیں جن سے ان تینوں مسائل پر اسلامی نقطہ نظر کا تعین ممکن ہوسکے گا:

① اس دینی تربیت کا آغاز بچے کی ولادت سے ہی ہوجاتا ہے، جب پیدائش کے بعد اس کے کان میں اذان دی جاتی ہے، حدیثِ نبوی ہے کہ

رأيت رسول الله ﷺ أذَّن في اُذن الحسن بن علي حين ولدته فاطمة

''میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے حضرت حسنؓ بن علیؓ کے کان میں اذان☆ دی، جب اُنہیں سیدہ فاطمہؓ نے جنم دیا۔'' (سنن ابوداود: ۵۱۰۵'حسن')

✵ بچے کے کان میں اذان کہنے کی حکمت بیان کرتے ہوئے علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

''بچے کے کان میں سب سے پہلے اذان، جس میں ربّ کریم کی کبریائی، عظمت وجلال اور کلمہ شہادت کا تذکرہ ہے، کی آواز پہنچانے کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح دنیا سے جاتے ہوئے انسان کو کلمہ توحید کی تلقین کی جاتی ہے، اس طرح دنیا میں آتے ہوئے بھی اسلام کی پاسداری کی یاددہانی کرائی جاتی ہے۔ اور اس یاددہانی کا بچے کے دل پر اثر ہوتا ہے، چاہے اس وقت وہ شعور نہ رکھتا ہو۔'' پھر اُنہوں نے دیگر فوائد کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ (تحفۃ المودود: ص ۳۱)

نبی کریم ﷺ کی اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ بچے کو سب سے پہلے اسلام کے بنیادی عقائد مثلاً اللہ کی کبریائی اور وحدانیت، نبی کی رسالتؐ اور نماز کی دعوت دی جاتی ہے۔

② بعض دانشوروں کو اس بات پر اعتراض ہے کہ بچے کو سب سے پہلے اسلامی عقائد کی

☆البتہ بچے کے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہنے کی جو حدیث بیہقی ہے، وہ صحیح نہیں ہے بلکہ علامہ البانیؒ نے اسے موضوع قرار دیا ہے۔ (إرواء الغلیل: ۴/۴۰۱)

www.KitaboSunnat.com

تعلیم کیوں دی جاتی ہے تو اُنہیں علم ہونا چاہئے کہ ان عقائد کی تعلیم تو ولادت سے بھی پہلے ہر انسان کی سرشت میں داخل کی گئی ہے اور اس سے اسکا اقرار بھی لیا جاچکا ہے، قرآن میں ہے:

﴿وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهِمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا أَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غَافِلِيْنَ﴾

''جب تیرے ربّ نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولادوں کو نکالا تھا اور انہیں خود ان کے اوپر گواہ بناتے ہوئے پوچھا تھا: کیا میں تمہارا ربّ نہیں ہوں؟ تو اُنہوں نے کہا: کیوں نہیں، ہم اس کی شہادت☆ دیتے ہیں، یہ ہم نے اس لئے کیا کہ کہیں تم قیامت کے روز یہ نہ کہہ دو کہ ہم تو اس بات سے بے خبر تھے۔'' (الاعراف:۱۷۲)

③ حضرت ابن عباسؓ نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں اپنا واقعہ ذکر کیا ہے کہ میں ایک دن سواری پر نبی کریم ﷺ کے پیچھے بیٹھا تھا تو آپ نے فرمایا:

«يا غلام! أعلِّمك كلمات: احفظ الله يحفظك، احفظ الله تجده تجاهك، وإذا سألت فاسئل الله وإذا استعنت فاستعن بالله واعلم أن الأمة لو اجتمعت على أن ينفعوك بشيء لم ينفعوك إلا بشيء قد كتبه الله لك وان اجتمعوا على أن يضروك بشيء لم يضروك إلا بشيء قد كتبه الله عليك رُفعت الأقلام وجُفَّت المصاحف» (جامع ترمذی:۲۵۱۶ صحیح)

''اے لڑکے! میں تجھے چند کلمات سکھاتا ہوں: تو اللہ (کے اوامر ونواہی) کی حفاظت کر تو اللہ تیری حفاظت کرے گا، ان کی پابندی کر تو اللہ کی مدد ہمیشہ تیرے ساتھ ہوگی۔ جب بھی مانگنا ہو تو اللہ سے مانگ، جب بھی مدد چاہے تو اللہ سے مدد طلب کر۔ یاد رکھ کہ پوری اُمت مل کر بھی تجھے فائدہ پہنچانا چاہے تو اللہ کی تقدیر سے زیادہ فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ اور اگر سب مل کر بھی تجھے نقصان دینا چاہیں تو اللہ کے لکھے سے بڑھ کر تیرا بال بیکا نہیں کرسکتی۔ قلم اُٹھا لئے گئے اور (تقدیر کی) کتابیں خشک ہوچکیں۔''

☆ سورۃ الروم کی آیت نمبر ۳۰ کی رو سے ''اسلام پر عمل کو انسان کی فطرت قرار دیا گیا اور اس فطرت کو کوئی تبدیل نہیں کرسکتا۔'' صحیح بخاری میں بھی بتایا گیا ہے کہ ''ہر انسان فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔'' (رقم: ۱۳۱۹) صحیح ابن حبان میں فطرت کی بجائے 'فطرتِ اسلام' کے لفظ آئے ہیں۔ (رقم ۱۳۲ صحیح) ایسے ہی الجامع الصغیر کی میں 'ملتِ اسلام' پر پیدا ہونے کے لفظ آئے ہیں۔ (رقم ۸۶۸۹ صحیح)

لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ انسان کو اسلامی احکامات کی سرے سے ضرورت ہی نہیں، بلکہ صحیح بخاری کی ہی حدیث نمبر ۱۳۱۹ کی رو سے ماں باپ انسان کو یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ اس لئے اسلامی احکام کی تعلیم کے ذریعے انسان کو اصل فطرت 'اسلام' کی نشاندہی، یاددہانی اور تلقین کی جاتی ہے۔

www.KitaboSunnat.com

غور فرمایئے کہ اس حدیث میں نبی ﷺ کی تمام تر تعلیم عقائد اور اللہ پر ایمان (یقین، توکل) کی مضبوطی کے بارے میں ہے۔ پھر یہ تعلیم اس بچے کو دی جارہی ہے جس کی عمر بہت چھوٹی ہے۔ اس کا پتہ اس بات سے بھی چلتا ہے کہ آپ نے اُنہیں اپنے پیچھے سواری پر بٹھا رکھا تھا جیسا کہ مسند احمد بن حنبل کی روایت نمبر ۲۸۰۴ میں اس کی صراحت بھی موجود ہے اور وہاں غلام کے ساتھ غُلَیم (چھوٹا بچہ) کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ صحیح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ کا اپنا فرمان بھی موجود ہے کہ نبی کریم ﷺ کی وفات کے وقت وہ ابھی بچے (صبي) تھے۔

④ عبداللہؓ بن عباس فرماتے ہیں کہ ''نبی کریم ﷺ کی وفات کے وقت میں ۱۰ برس کا تھا اور میں اس وقت قرآن کریم کی تمام مُحکم آیات سیکھ چکا تھا۔'' (صحیح بخاری: ۴۶۴۷)

مُحکم کا لفظ ان آیات پر بولا جاتا ہے جو متشابہ یا منسوخ نہیں ہیں۔

⑤ نبی اکرم ﷺ کا فرمانِ گرامی ہے:

«افتحوا على صبيانكم أوّل كلمة بلا إله إلا الله» (شعب الایمان: ۸۶۴۹)

''اپنے بچوں (کی تعلیم یا بولنے) کا آغاز لا إله الا الله سے کیا کرو۔''

⑥ نبی کریم ﷺ کا معمول یہ تھا کہ جب بنو ہاشم کا کوئی بچہ بولنے کے قابل ہوجاتا تو آپؐ اس کو یہ آیت سات بار سکھایا کرتے: ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ...... آخر سورہ تک ﴾ (مصنف عبدالرزاق: ۷۹۷۶)

''تمام تعریفیں اس ذات کی جس نے اولاد نہیں لی اور نہ بادشاہت میں اس کا کوئی شریک ہے''

⑦ صحابہ کرامؓ کا معمول یہ تھا کہ سب سے پہلے وہ بچوں کو نماز سکھایا کرتے اور کوشش کرتے کہ سب سے پہلے بچہ جو لفظ بولے وہ لا إله إلا الله ہو۔ (ایضاً: ۳۵۰۰)

☜ یہ تو تفصیل ہے قرآن اور عقائد سکھانے کی، جہاں تک احکام سکھانے کی بات ہے تو

⑧ عبادات اور نماز کے احکام سکھانے کے بارے میں فرمانِ نبویؐ ہے:

«مُروا أولادكم بالصلاة وهم أبناء سبع سنين واضربوهم عليها وهم أبناء عشر سنين وفرقوا بينهم في المضاجع» (سنن ابوداود: ۴۹۵، صحیح)

''اپنے بچوں کو سات برس کی عمر میں نماز کا حکم دو، دس برس کے ہوجائیں تو (نماز کے لئے) مارنے سے بھی گریز نہ کرو اور (اس عمر میں) ان کے بستر علیحدہ کردو۔''

⑨ حدیث کی کتاب مصنف ابن ابی شیبہ میں یہ عنوان ''بچے کو نماز کا کب حکم دیا جائے؟'' قائم کرکے اس کے تحت مختلف صحابہ کرامؓ کے معمولات ذکر کئے گئے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرمایا کرتے کہ بچوں کو بھی نماز کے لئے اُٹھایا کرو چاہے وہ ایک

www.KitaboSunnat.com

سجدہ ہی کریں۔ (رقم:۳۴۸۳) عبداللہ بن عمرؓ اور ابن سیرینؒ بچے کو اس عمر میں نماز سکھایا کرتے جب اسے دائیں اور بائیں کی پہچان ہو جائے۔ (۳۴۸۵، ۳۴۹۵) عبدالرحمٰن تحصبی کے نزدیک جب بچہ بیس تک گنتی گننا سیکھ جائے تب بچے کو نماز پڑھنے کا حکم دیا جائے۔ (۳۴۸۹) ابواسحٰق کا معمول یہ تھا کہ ۷ سے ۱۰ برس کی عمر کے دوران بچے کو نماز سکھا دیا کرتے۔ (۳۴۹۳)

علیؓ بن حسینؓ بچوں کو ظہر، عصر اور مغرب، عشاء کو جمع کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا کرتے، اُنہیں کہا گیا کہ یہ تو نماز کے اوقات نہیں ہیں تو آپ نے جواب دیا کہ بچوں کے سو جانے سے بہتر ہے کہ ایسے کر لیا جائے۔ (رقم:۳۴۹۴)

عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ اپنے بچوں کی نمازوں پر نگرانی کیا کرو۔ (رقم:۳۴۹۷)

⑩ ربیعؓ بنت معوذ فرماتی ہیں کہ ہم روزہ رکھا کرتیں اور نُصوِّم صبیاننا اپنے بچوں کو بھی روزہ رکھواتیں۔ ان کو ہم روئی کے کھلونے بنا دیتیں، جب کوئی بچہ رونے لگتا تو ہم اسے دے دیتیں حتی کہ افطاری کا وقت آ پہنچتا۔'' (صحیح بخاری:۱۸۲۴)

⑪ حضرت سعدؓ اپنے بچوں کو حسبِ ذیل دعا ایسے ہی سکھایا کرتے جیسا کہ استاد بچوں کو لکھنا سکھاتا ہے اور کہا کرتے کہ ان کلمات کے ساتھ نبی کریم ﷺ ہر نماز کے بعد پناہ حاصل کیا کرتے: « اللهم إني أعوذ بك من الجُبن وأعوذ بك أن أردّ إلى أرذل العمر وأعوذ بك من فتنة الدنيا وأعوذ بك من عذاب القبر » (بخاری:۲۶۱۰)

⑫ اس دور کے بچوں پر حسن تربیت کا اثر دیکھنے کیلئے نبی ﷺ کا یہ واقعہ پڑھئے، ابن عباسؓ کی عمر کا ذکر گزر چکا ہے کہ آپؐ کی وفات کے وقت انکی عمر محض ۱۰ برس تھی۔ یہ واقعہ ممکن ہے، چند برس پہلے کا ہو اور اس وقت ان کی عمر ۷،۸ برس ہوگی۔ آپؓ روایت کرتے ہیں:

> ''میں نے اپنی خالہ اُمّ المومنین حضرت میمونہؓ کے پاس ایک رات گزاری، اس رات نبی کریم ﷺ بھی ان کے پاس تھے۔ نبی کریمؐ نے عشا کی نماز پڑھائی، گھر آئے اور چار رکعات پڑھ کر سو گئے، پھر بیدار ہوئے تو فرمایا: چھوٹا بچہ سو گیا ہے؟ یا اس سے ملتا جلتا کوئی کلمہ بولا۔ پھر کھڑے ہوئے، میں بھی آپ کے بائیں جانب کھڑا ہو گیا تو آپ نے مجھے دائیں طرف کر لیا۔ پھر آپ نے ۵ رکعتیں پڑھیں، پھر دو رکعتیں اور پھر سو گئے...... الخ (بخاری:۱۱۴)

سنن ابو داؤد میں اسی واقعہ میں یہ بھی ہے کہ دورانِ نماز آپ نے میرے سر پر اس طرح ہاتھ رکھا کہ آپ کا ہاتھ میرے کان کو چھو رہا تھا گویا آپ مجھے بیدار رکھنا چاہتے ہوں۔ (رقم ۱۱۵۷)

ان آیات واحادیث کا یہ مطلب نہیں کہ بچے کو محض عقائد اور احکام ومسائل کی تربیت ہی دی جائے بلکہ ہماری حکومت نے چونکہ طریقۂ نماز کو نصاب سے خارج کیا اور بعض دانشوروں

www.KitaboSunnat.com

نے بچپن میں عقائد کی تعلیم کا انکار کیا ہے، اس لئے اسی حوالے سے احادیثِ نبویؐ کا تذکرہ کیا گیا، البتہ اسلامی شریعت نے ماں باپ پر بچے کو بنیادی تربیت اور اخلاقیات سکھانے کی ذمہ داری بھی عائد کی ہے۔ عمر بن ابوسلمی ذکر کرتے ہیں کہ میں ایک بار بچپن میں نبی ﷺ کی گود میں بیٹھ کر کھانے میں شریک تھا اور میرا ہاتھ پوری پلیٹ میں گھوم رہا تھا تو آپؐ نے فرمایا:

⑬ «يا غلام! سمّ الله وكُلْ بيمينك وكل مما يليك» (صحیح بخاری: ۵۰۶۱)

''اے بچے! اللہ کا نام لے کر کھا، دائیں ہاتھ سے اور اپنے سامنے سے۔''

⑭ بچیوں کی اچھی تربیت کی فضیلت بھی زبانِ رسالتؐ سے ملاحظہ فرمائیے:

«من عال ثلاث بنات فأدبهن وزوّجهن وأحسن إليهن فله الجنة»

''جس مسلمان نے تین بیٹیوں کی اچھی تربیت کر کے ان کی شادی کر دی، ان کے ساتھ حسن سلوک کیا تو اس کے لئے جنت ہے۔'' (سنن ابو داود: ۴۴۸۱، سلسلہ صحیحہ: ۲۹۴)

⑮ بچوں کی تربیت کے بارے میں نبی ﷺ کی رہنمائی اس واقعہ سے بھی حاصل ہوتی ہے جس میں ہے کہ ایک ماں نے اپنے بچے کو کھجور کا جھوٹا لالچ دے کر قریب بلایا، تو آپ نے پوچھا: کیا تم اسے کھجور دینے کا ارادہ رکھتی ہو؟ اس نے نفی میں جواب دیا تو آپ نے فرمایا کہ ''ایسا نہ کرو، اس سے تمہارے نامہ اعمال میں ایک جھوٹ لکھ دیا جاتا ہے۔'' (ابو داود: ۴۹۹۱ حسن)

⑯ ایسے ہی نعمانؓ بن بشیرؓ کے والد کا قصہ جنہوں نے ایک بیٹے کو تحفہ دے کر نبی ﷺ کو اس پر گواہ ٹھہرانا چاہا تو آپؐ نے پوچھا کہ تم نے باقی اولاد کو بھی ایسا ہی تحفہ دیا ہے، اس نے نفی میں سر ہلایا تو آپؐ نے فرمایا کہ تمہیں کیا یہ پسند ہے کہ تمہاری اولاد تم سے برابر حسن سلوک نہ کرے؟ اس نے کہا: ہرگز نہیں تو آپ نے فرمایا کہ ''اپنی اولاد میں برابری سے برتاؤ کرو...... میں ظلم پر گواہ نہیں بن سکتا۔'' (مسلم: ۱۶۲۳، بخاری: ۲۵۰۷)

⑰ ایسے ہی وہ واقعہ بھی جب کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت حسنؓ و حسینؓ کو فرطِ محبت سے بوسہ دیا تو آپ کے پاس موجود صحابی اقرع بن حابس تمیمیؓ نے فرمایا: میرے دس بچے ہیں، میں نے تو اُنہیں کبھی پیار نہیں کیا۔ تو آپ نے تبصرہ فرمایا: ''جو دوسروں پر رحمت وشفقت نہیں کرتا، اللہ بھی اس پر رحم نہیں کھاتا۔'' (بخاری: ۵۶۵۱) ایک دیہاتی کو آپ نے فرمایا کہ ''اللہ نے تیرے دل سے ہی محبت وشفقت کھینچ لی ہو تو میں کیا کر سکتا ہوں۔'' (صحیح ابن حبان: ۵۵۹۵ صحیح)

مذکورہ بالا آیات واحادیث سے بخوبی علم ہوتا ہے کہ اسلام میں بچپن کی تعلیم وتربیت کی نہ صرف اہمیت ہے بلکہ ہمیں اس کا حکم بھی دیا گیا ہے اور اس تعلیم کو محض اخلاقیات تک محدود نہیں

www.KitaboSunnat.com

رہنا چاہئے۔ قرآنی آیات اور فرامین نبویؐ کے تذکرے کے بعد اس موضوع پر مزید حیلہ جوئی کی گنجائش باقی نہیں رہتی، البتہ ایک آخری نکتہ یہ باقی رہتا ہے کہ جاوید احمد غامدی نے دینی تعلیم کو نظامِ تعلیم سے نکال کر انفرادی بنیادوں پر پڑھانے کا نظریہ پیش کیا ہے اور اسکی یہ توجیہ پیش کی ہے کہ اوّلاً: یہ والدین کی ذمہ داری ہے، ثانیاً: نصابِ تعلیم میں اسے داخل کرنے سے فرقہ واریت پیدا ہوتی ہے۔ ان کا موقف ہے کہ اخلاقیات کی تعلیم کو، جو تمام مذاہب کے ہاں مسلمہ ہے مختلف مذاہب کے حوالے کی بجائے محض اخلاقیات کے طور پر پڑھایا جائے اور نظامِ تعلیم میں عقائد واحکام یا قرآنِ مجید وغیرہ کی تعلیم کو پرائمری کے بعد اختیار کیا جائے۔

جناب غامدی کا یہ موقف بھی ان کے سابقہ نظریات کی طرح کھوکھلا ہے جس کی گنجائش نہ تو شریعت کی نصوص سے ملتی ہے اور نہ ہی اس کی تائید عمل وتجربہ سے ہوتی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کے سفر میں پیش آنے والے واقعہ جس میں نبی کریمؐ نے اُنہیں بنیادی عقائد سکھائے، اور آپ ﷺ کا ہی عمرؓ بن ابی سلمی کو کھانے کے مسائل کی تعلیم دینے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ حکم صرف والدین کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ آپؐ نے اسے ادا فرمایا۔

چونکہ دورِ خیر القرون میں اس طرح کسی باقاعدہ نظامِ تعلیم کی مثال نہیں ملتی جو جملہ مسلمانوں کے لئے ہو، البتہ علومِ اسلامیہ میں رسوخ کے لئے اصحابِ صفہ اور ائمہ اسلاف کے درسِ حدیث وفقہ کا ضرور پتہ چلتا ہے لیکن ان ادوار میں بھی وہ لوگ جو اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کا اعلیٰ انتظام کرنا چاہتے تھے، وہ بعض اساتذہ کو مقرر کرکے ان کے ذریعے یہ مقصد پورا کیا کرتے۔ موجودہ دور میں انہی اساتذہ کی جگہ ایک باقاعدہ نظامِ تعلیم نے لے لی ہے۔ اُس دور میں ایسے اتالیقوں کو تعلیم کے لئے دی جانے والی رہنما ہدایات ملاحظہ ہوں:

❁ علامہ ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں ذکر کیا ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید نے اپنے بیٹے امین کے اتالیق کو یہ ہدایت کی:

"امیر المومنین نے اپنا جگر گوشہ اور دل کا قرار آپ کے سپرد کیا ہے۔ فَصيِّر يدَك عليه مبسوطة اپنے ہاتھ کو اس پر کھلا رکھیں (مارنے سے بھی گریز نہ کریں)، آپ کی اطاعت اس پر ازبس لازم ہے۔ جو مقامِ (معلم) امیر المومنین نے آپ کے سپرد کیا ہے، اس کے ساتھ ویسے ہی پیش آیئے: اقرئه القرآن وعرفه الأخبار وروِّه الأشعار وعلمه السنن "اسے قرآن سکھلایئے، احادیثِ مطہرہ کی معرفت دیجئے، اشعار سے سیراب کریں اور اچھی عادات سکھلائیں۔" الخ (تربية الأولاد عربی، ۱/۱۴۲، بیروت ۱۹۸۱ء)

❁ خلیفہ عبدالملک بن مروان نے اپنے بیٹے کے اتالیق کو ہدایت کی:

www.KitaboSunnat.com

''علِّمهم الصدق كما تعلمهم القرآن واحملهم على الأخلاق الجميلة''

''جس طرح اُنہیں قرآن سکھائیں، ویسے ہی اسے سچ بولنے کی بھی تعلیم دیں اور اخلاقِ جمیلہ کی صفات بھی اس میں راسخ کریں۔''

❁ خلیفہ ہشام بن عبد الملک نے اپنے بیٹے کے اتالیق سلیمان کلبی سے کہا:

''اس کو ادب سکھانے کی ذمہ داری میں آپ کے سپرد کرتا ہوں۔ فعليك بتقوى الله وأَدِّ الأمانة وأوّل ما أوصيك به أن تأخذه بكتاب الله آپ اللہ سے ڈر کر اس امانت (معلّمی) کو ادا کریں۔ سب سے پہلے میں آپ کو جس تعلیم کی پرزور نصیحت کرتا ہوں کہ آپ اسے اللہ کی کتاب کی تعلیم دیں۔'' الخ

راقم نے خصوصیت سے یہاں تین خلفا کی ہدایات کا تذکرہ کیا ہے، یاد رہے کہ ان ہدایات میں سب سے پہلے دینی تعلیم کا بطورِ خاص تذکرہ کیا گیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ دینی تعلیم کا یہ اہتمام صرف اس دور کے دین دار لوگوں کا معمول نہیں تھا بلکہ اُس دور کے بااثر طبقہ کے تعلیمی رجحانات بھی یہی تھے۔ اور یہ خلفا ان ادوار کے ہیں جو علومِ اسلامیہ اور تمدنی ارتقا کا سنہرا دور کہلاتا ہے...... نیز جاوید احمد غامدی کا تعلیمی نظریہ تجربہ اور عمل کی میزان پر بھی پورا نہیں اُترتا:

① یہ سیکولر تصورات کا شاخسانہ ہے جس کی رو سے مذہبی تعلیم کو ریاست کی ذمہ داری سے نکال کر عوام کے سپرد کر دیا جائے۔ سٹیٹ اور چرچ میں جدائی کا یہ نظریہ مغربی ہے جس کی اسلام یا نظریۂ پاکستان کی رو سے کوئی گنجائش نہیں ہے۔

پھر یہ پاکستان کے ۹۷ فیصد مسلمان اکثریت کا مسئلہ ہے کہ ان کا دین اُنہیں بچپن میں بھی مذہبی تعلیم کا پابند کرتا ہے، پاکستان کے نظامِ تعلیم کو اس کی پاسداری کرنا چاہئے جیسا کہ فرانس میں حجاب پر پابندی کی توجیہ اس حکومت نے یہ اختیار کی کہ اس سے فرانس کے اکثریتی مذہب یعنی عیسائیت کی حق تلفی ہوتی اور مذہبی امتیاز پیدا ہوتا ہے۔

② یہ ذمہ داری والدین کے سپرد کرتے ہوئے عملی صورتحال بھی ہمیں سامنے رکھنی چاہئے کہ پاکستان کے اعلیٰ طبقہ کو تو اپنے بچوں کی دینی تعلیم سے کوئی سروکار ہی نہیں ہے، چنانچہ وہ اپنے طور پر اس ذمہ داری کو ادا کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتے، جس کا نتیجہ ان بچوں کی اسلامی عقائد سے ناواقفیت کی صورت میں نکلے گا۔ متوسط طبقہ میں گھر کی گاڑی رواں دواں رکھنے کے لئے والد کو کئی کئی مصروفیتوں میں اُلجھنا پڑتا ہے، تب کہیں گھر کے اخراجات پورے ہوتے ہیں۔ ان حالات میں کسی باپ کے پاس اتنی فرصت ہی نہیں کہ بچوں کی تعلیم میں وقت

www.KitaboSunnat.com

صرف کرے۔ مزید برآں یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ پاکستان کی آبادی کا ۶۰/۷۰ فیصد حصہ بنیادی تعلیم سے بھی آشنا نہیں ہے۔ ان لوگوں کو درست کلمہ بھی پڑھنا نہیں آتا، کجا یہ کہ وہ اپنے بچوں کی دینی تعلیم کی ضرورت پوری کرسکیں۔

غور کریں، اگر بنیادی تعلیم یعنی لکھنے پڑھنے اور حساب کتاب سکھانے کی ذمہ داری ان والدین کے سپرد کردی جائے تو کتنے فیصد والدین اس کو نبھا سکتے ہیں؟ پھر نا معلوم کیوں دینی علوم کو ہی اس قدر غیر اہم قرار دے کر ایسی مضحکہ خیز تجویز پیش کی جاتی ہے۔

③ بچوں پر نصاب ونظامِ تعلیم کا کافی بوجھ پہلے ہی لاد دیا گیا ہے، بعض سکولوں کے اوقاتِ تعلیم انتہائی لمبے ہیں اور بعض بچے ویسے ہی بورڈنگ سکولوں میں رہائش پذیر ہیں، ایسے ہی کھیلوں، ویڈیو گیمز اور ٹی وی پروگراموں نے انہیں اس قدر مصروف کررکھا ہے کہ ان کے پاس مزید تعلیم کے لئے فرصت ہی نہیں بچتی۔ ایسے حالات میں قومی نظامِ تعلیم کو بچوں کی تمام ضروریات کا کفیل ہونا چاہئے۔ ترقی یافتہ دنیا میں تو اب سکول میں ہی بچے کو ہوم ورک بھی کروانے کو رواج دیا جارہا ہے اور ہمارے ہاں تعلیم کے ایک اہم ترین حصہ کو گھر کی مصروفیت اور ذاتی کاوش پر چھوڑا جارہا ہے۔ ایسی دورنگی کیوں ہے؟

④ مذہبی تعلیم کو حکومت کی سرپرستی سے نکال کر گھریلو بنیادوں پر پڑھانے کا نتیجہ فرقہ واریت کے خاتمے کی بجائے فرقہ واریت کے فروغ کی صورت میں برآمد ہوگا۔ کیونکہ حکومت خود تو اپنی نگرانی میں مختلف اقدامات یا نصاب کے ذریعے فرقہ وارانہ رجحانات کو کم کرسکتی ہے لیکن والدین جن اساتذہ کو اپنے بچوں کی دینی تربیت کے لئے مقرر کریں گے، موجودہ حکومت اور غامدی صاحب کو تو پہلے ہی مساجد ومدارس کے ان فضلا سے فرقہ واریت کے فروغ کا شکوہ ہے۔ اس مرحلے پر یہ دینی تعلیم دینے والے کیونکر یکدم انتہائی روادار قرار پا جائیں گے؟

الغرض اس نوعیت کی بہت سی اور بھی وجوہات ہیں جن کی بنا پر تعلیم کے حوالے سے یہ دانشوری محض خوبصورت الفاظ کا ایک مرقع اور بلند خواہشات کا ایک خواب تو بن سکتی ہے، لیکن زمینی حقائق کو پیش نظر رکھ کر اسے اختیار نہیں کیا جاسکتا۔ جو حکومت اسے اختیار کرے گی، اس کے پیش نظر لازماً دینی تعلیم کا تدریجاً خاتمہ ہی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اربابِ اقتدار اور اربابِ دانش کی فکر ونظر کے زاویے درست فرمائے اور ہمیں اپنے دینی تقاضوں سے عہدہ برا ہونے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین! (حافظ حسن مدنی)

www.KitaboSunnat.com

حدیث وسنت

محمد اسلم صدیق☆

احادیثِ لَولَاكَ کا تحقیقی جائزہ

ماہنامہ 'محدث' کے فروری ۲۰۰۴ء کے شمارہ میں محترمہ خالدہ امجد کا مضمون 'عائشہ صدیقہؓ اُسوۂ حسنہ' کے صفحہ ۶۳، سطر ۱۱ پر یہ عبارت ''پاک و طاہر بیٹی کا نصیب صاحبِ لولاک کا نور کدہ ہی ہوسکتا ہے۔'' میں لفظ لَوْلاکَ جو ایک موضوع روایت کا جملہ ہے، غلطی سے نظر انداز ہوگیا تھا۔ محدث کے قاری جناب نثار احمد کھوکھر اور چند دیگر حضرات نے اس غلطی پر نشاندہی کی اور حدیث کی مکمل تحقیق شائع کرنے کی استدعا کی۔

مزید برآں مؤرخہ ۲۲/ مارچ ۲۰۰۴ء کے روزنامہ 'نوائے وقت' لاہور میں 'ضروری تصحیح' کے عنوان سے ایک خط شائع کیا گیا جس میں 'نوائے وقت' کے مستقل کالم 'نورِ بصیرت' میں شائع شدہ حدیث لولاک کے بارے میں یہ وضاحت کی گئی کہ یہ حدیث موضوع ہے، اس کے جواب میں مدیر روزنامہ 'نوائے وقت' کو ایک خط لکھا گیا جو بعد میں بریلوی مکتبِ فکر کے ترجمان رسالہ 'نورالحبیب' (بصیر پور) اپریل ۲۰۰۴ء میں بھی شائع ہوا، جس میں اس حدیث کو مختلف حوالوں سے معناً درست ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی گئی۔ اس بحث کے تناظر میں مناسب سمجھا کہ اس روایت کے بارے میں محدثین کا نقطہ نظر واضح کردیا جائے۔

سب سے پہلے ہم روایاتِ 'لولاک' کی استنادی حیثیت واضح کریں گے۔ اس کے بعد قرآن کریم کی صریح نصوص سے ان کے تعارض کی نشاندہی کریں گے۔ پھر اس بات کا جائزہ لیں گے کہ آیا عربی لغت میں لَولَاكَ کی ترکیب مستعمل ہے؟ اور آخر میں ہم ان احادیث کے پس پردہ عقیدہ کی خرابی کی نشاندہی کریں گے۔ اِن شاء اللہ

روایات لَولَاكَ کی استنادی حیثیت

لولاكَ کی ترکیب مختلف اسناد کے ساتھ کتبِ حدیث میں موجود ہے۔ مثلاً:

پہلی روایت: أنبأنا عبد الوهاب بن المبارك ومحمد بن ناصر الحافظان وموهوب بن أحمد اللغوي وعمر بن ظفر المغازلي وعبد الخالق بن

☆ریسرچ فیلو مجلس التحقیق الاسلامی، لاہور

www.KitaboSunnat.com

أحمد اليوسفي قالوا أنبأنا أبو بكر أحمد بن المظفر بن سوسن قال أنبأنا أبوالقاسم عبد الرحمن بن عبيد الله الحرفي قال: أنبأنا أبو أحمد حمزة بن محمد بن العباس الدهقان، قال: حدثنا محمد بن عيسٰى بن حبان المدائني المعروف بأبي السُكين قال: حدثنا محمد بن الصباح، قال أنبأنا على بن الحسن الكوفي عن إبراهيم بن اليسع عن أبي العباس الضرير عن الخليل بن مرة عن يحيٰى البصري عن زاذان عن سلمان قال: «ولولاك يا محمد ما خلقت الدنيا» (الموضوعات ۱۸/۲،۱۹، اللآلي المصنوعة ۲۷۲/۱، تنزيه الشريعة ۳۲۴/۱،۳۲۵)

''اے محمدؐ! اگر آپ نہ ہوتے تو میں دنیا کو پیدا نہ کرتا۔''

مذکورہ جملہ ایک طویل حدیثِ قدسی کا ٹکڑا ہے۔ ابن جوزیؒ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اس حدیث کے خود ساختہ اور من گھڑت ہونے میں کوئی شک نہیں، اس کی سند میں اکثر راوی مجہول اور ضعیف ہیں۔ چنانچہ ضعفاء میں سے ابوسکین اور ابراہیم بن یسع ہیں، ان کے متعلق امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں: ابوسکین ضعیف ہے اور ابراہیم اور یحیٰی بصری دونوں متروک ہیں۔'' (كتاب الموضوعات من الأحاديث المرفوعات ۱۹/۲)

اسی طرح ابن عراقؒ نے تنزيه الشريعة (۳۲۴/۱،۳۲۵) میں اس حدیث کو من گھڑت قرار دیا ہے۔ امام ذہبیؒ نے بھی الترتيب ۱۶/ب میں کہا ہے کہ اس میں موجود راوی یحیٰی بصری احادیث گھڑا کرتا تھا اور کذاب تھا، نیز اس حدیث کی سند کے رواۃ مجہول ہیں۔ اس کے علاوہ خلیل بن مرہ بھی ضعیف ترین راوی ہے۔ بخاریؒ نے اسے منکرالحدیث، ابوحاتم اور یحیٰی بن معین وغیرہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

(دیکھئے: ميزان الإعتدال في نقد الرجال از امام ذہبیؒ ۶۶۷/۱،۶۶۸)

امام سیوطیؒ اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں:

موضوع: أبوالسكين وإبراهيم ويحيٰى البصري ضعفاء متروكون وقال الفلاس: يحيٰى كذاب يحدث بالموضوعات (اللالئ المصنوعة ۲۷۳/۱)

''یہ حدیث موضوع ہے۔ ابوسکین، ابراہیم اور یحیٰی بصری ضعیف اور متروک راوی ہیں اور

www.KitaboSunnat.com

امام فلاسؒ فرماتے ہیں کہ یحییٰ کذاب تھا، موضوع اور من گھڑت روایات بیان کیا کرتا تھا۔''

دوسری روایت: «لولاك ، لولاك ماخلقت الأفلاك» (تذكرة الموضوعات ٨٦)

امام عجلونیؒ نے اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد یہ لکھا ہے کہ

''امام صغانیؒ نے اسے موضوع قرار دیا ہے، لیکن میں کہتا ہوں کہ اگرچہ یہ حدیث نہیں ہے، لیکن اس کا معنی صحیح ہے۔'' (كشف الخفاء ومُزيل الإلباس ٢١٤/٢)

یہ روایت لفظاً تو موضوع ہے ہی مگر کیا فی الواقع امام عجلونیؒ کی یہ بات درست ہے کہ ''اس کا معنی صحیح ہے۔'' اس کی وضاحت آگے روایت نمبر ۵ کے تحت آرہی ہے۔

تیسری روایت: «لولاك ماخلقت الأفلاك»

''اگر آپ نہ ہوتے تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا۔''

امام صغانیؒ نے اپنی کتاب الأحاديث الموضوعة (ص۵۲، رقم ۷۸) میں اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے۔ اسی طرح امام شوکانیؒ نے الفوائد المجموعة في الأحاديث الموضوعة میں اور ملا علی القاریؒ نے المصنوع في معرفة الحديث الموضوع (۱۱۶/۱) میں اس حدیث کو امام صغانیؒ کے حوالے سے موضوع قرار دیا ہے۔

لیکن ملا علی القاریؒ نے بھی اس حدیث کو اپنی کتاب الأسرار المرفوعة في الأخبار الموضوعة میں نقل کرنے کے بعد امام عجلونیؒ کی طرح یہی کہا ہے کہ

''اگرچہ یہ حدیث موضوع ہے، لیکن اس کا مفہوم صحیح ہے۔''

اور تائید کیلئے ابن عباسؓ سے مروی دیلمیؒ کی یہ حدیث ذکر کی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

چوتھی روایت: «أتاني جبرائيل فقال يامحمد لولاك ما خلقت الجنة، لولاك ماخلقت النار»

''جبرائیل میرے پاس تشریف لائے اور کہا: اے محمد ﷺ! اگر آپؐ نہ ہوتے تو جنت پیدا کی جاتی، نہ جہنم...''

پانچویں روایت: اسی طرح تائیداً ابن عساکرؒ کی یہ روایت بھی پیش کی ہے:

«لولاك ماخلقت الدنيا» (الأسرارالمرفوعة في الأخبار الموضوعة، المعروف بالموضوعات الكبرىٰ، ص٢٨٨)

www.KitaboSunnat.com

کیا یہ روایات مفہوم کے لحاظ سے درست ہیں؟: جہاں تک اس حدیث کے معنی کو درست قرار دینے کا تعلق ہے تو امام عجلونیؒ اور ملا علی قاریؒ کا یہ دعویٰ درست نہیں ہے۔ چنانچہ شیخ محمد ناصرالدین البانیؒ ان کے اس قول پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

الجزم لصحة معناه لا يليق إلا بعد ثبوت ما نقله عن الديلمي وهذا مما لم أر أحداً تعرّض لبيانهِ وأنا فإن كنتُ لم أقف على سنده فإني لاأتردّد في ضعفه وحسبنا في التدليل على ذلك تفرد الديلمي به، وأما رواية ابن عساكر فقد أخرجها ابن الجوزي أيضًا في حديث طويل عن سلمان مرفوعًا وقال إنه موضوع وأقره السيوطى في اللآلي ١/ ٢٧٢، وانظر الموضوعات ١/ ٢٨٨۔ ٢٩٠ (سلسلة الأحاديث الضعيفة، رقم:٢٨٢)

''اس روایت کے معنی کو صحیح قرار دینا اسی صورت میں ہی درست ہوسکتا ہے، جب دیلمی کی (مذکورہ) روایت [نمبر۴] صحیح ثابت ہوجائے۔ جہاں تک میں نے دیکھا ہے وہ یہ ہے کہ کسی نے ان کے اس قول سے تعرض نہیں کیا اور میں اگرچہ دیلمی کی اس روایت کی سند سے واقف نہیں ہوسکا، لیکن مجھے اس کے ضعیف ہونے میں ذرا بھر تردّد نہیں ہے اور اس کے لئے یہی دلیل کافی ہے کہ اس میں دیلمی متفرد ہیں اور جہاں تک ابن عساکرؒ کی روایت کا تعلق ہے تو اس کو ابن جوزیؒ نے ایک طویل حدیث میں سلمان سے مرفوع روایت کیا ہے اور اسے موضوع قرار دیا ہے اور سیوطی نے بھی اللآلي ۱/۲۷۲ میں ان کی تائید کی ہے، دیکھئے: الموضوعات ۱/۲۸۸ تا ۲۹۰''

علامہ البانیؒ کی اس وضاحت سے جہاں دیلمیؒ اور ابن عساکرؒ کی روایت کی حقیقت واضح ہوگئی ہے، وہاں یہ بھی ثابت ہوگیا کہ ان ضعیف اور موضوع روایات کی بنیاد پر امام عجلونیؒ اور ملا علی قاریؒ کا لولاک کی روایت کے معنی کو درست قرار دینا صحیح نہیں ہے اور ان حضرات کا ایک موضوع روایت، جس کا تعلق ما بعد الطبیعات اُمور سے ہے، کے معنی کو بغیر کسی دلیل کے صحیح قرار دینا انتہائی تعجب انگیز ہے، بلکہ یہ مفہوم قرآنِ کریم کی صریح نصوص کے بھی خلاف ہے، جس کی وضاحت اگلے صفحات میں آرہی ہے۔

چھٹی روایت: مندرجہ بالا حدیث سے ملتی جلتی ایک اور روایت حضرت عمرؓ بن خطاب سے

www.KitaboSunnat.com

مرفوعاً مروی ہے:

حدثنا أبو سعيد عمرو بن محمد بن منصور العدل ثنا أبو الحسن محمد بن إسحٰق بن إبراهيم الحنظلي ثنا أبو الحارث عبد الله بن مسلم الفهري ثنا اسمٰعيل بن مسلمة أنبأ عبد الرحمن بن زيد بن أسلم عن أبيه عن جده عن عمر بن الخطاب قال قال رسول اللهﷺ: «لما اقترف آدم الخطيئة قال: يارب أسالك بحق محمد لما غفرت لي فقال: يا آدم وكيف عرفتَ محمدًا ولم أخلقه؟ قال:يا ربّ لمَّا خلقتَني بيدك ونفختَ فيَّ من روحك، رفعتُ رأسی فرأيتُ على قوائم العرش مكتوبًا: لا إله إلا الله محمد رسول الله، فعلمتُ أنك لم تضف بإسمك إلا أحبّ الخلق فقال: غفرتُ لك ولولا محمد لما خلقتُك» (مستدرك حاكم ٦١٥/٢، المعجم الصغير للطبراني ١٨٢/٢، دلائل النبوة للبيقهي ٤٨٩/٥)

''جب حضرت آدمؑ غلطی کے مرتکب ہوئے تو اُنہوں نے یہ دعا کی: اے پروردگار! میں محمدؐ کے وسیلہ سے تجھ سے مغفرت کا خواستگار ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے پوچھا: اے آدمؑ! تم محمد ﷺ کے متعلق کیسے جانتے ہو، حالانکہ میں نے تو اسے ابھی پیدا ہی نہیں کیا؟ عرض کیا: اے اللہ! جب تو نے مجھے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور مجھ میں روح پھونکی تو میں نے اپنا سر اُٹھایا اور عرش کے پایوں پر لکھا ہوا دیکھا تھا: لا إله إلا الله محمد رسول الله تو میں سمجھ گیا کہ جس کو تو نے اپنے نام کے ساتھ ملا رکھا ہے، کائنات میں اس سے برتر کوئی نہیں ہوسکتا تو اللہ نے فرمایا: میں نے تجھے معاف کردیا اور اگر محمدؐ نہ ہوتے تو میں تجھے پیدا ہی نہ کرتا۔''

اس روایت کو علامہ ذہبیؒ، حافظ ابن حجرؒ، امام طبرانیؒ، حافظ ہیثمیؒ، ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن الہادیؒ وغیرہ علما کی اکثریت نے ضعیف، موضوع اور ناقابل اعتبار قرار دیا ہے۔

امام ذہبیؒ فرماتے ہیں: موضوع وعبدالرحمن واہ ''یہ حدیث موضوع اور من گھڑت ہے اور اس کا راوی عبدالرحمٰن انتہائی ضعیف ہے اور میں اس کے دوسرے راوی عبد اللہ بن مسلم فہری کے بارے میں نہیں جانتا کہ یہ کون ہے؟'' (ذیل المستدرک للذہبی ۱۶۵/۲)

حافظ ذہبیؒ نے میزان الاعتدال میں فہری کا تذکرہ کیا ہے اور اس کی یہی مذکورہ روایت ذکر کرنے کے بعد اسے باطل قرار دیا ہے۔ (میزان الاعتدال ۵۰۴/۲)

www.KitaboSunnat.com

حافظ نورالدین ہیثمیؒ فرماتے ہیں:

''اس حدیث میں ایسے راوی ہیں جن کو میں نہیں جانتا۔'' (مجمع الزوائد ۸/۲۵۳)

اس حدیث کے ضعیف ہونے کی بنیادی وجہ اس کا راوی عبدالرحمٰن بن زید ہے جو تمام محدثین کے نزدیک بالاتفاق ضعیف ہے۔ چنانچہ ابن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ

''عبدالرحمٰن بن زید کو امام احمد بن حنبل، علی بن مدینی، ابوداود، ابوزرعہ، ابوحاتم رازی، امام نسائی، امام دارقطنی رحمہم اللہ نے ضعیف قرار دیا ہے اور امام ابن حبانؒ کا قول ہے: یہ شخص لاعلمی میں احادیث کو بدل دیا کرتا تھا حتیٰ کہ اس نے بے شمار مرسل روایات کو مرفوع اور موقوف روایات کو مسند بنا دیا، جس کی وجہ سے یہ محدثین کے نزدیک متروک قرار پایا۔''

(کتاب الضعفاء والمتروکین ۲/۹۵)

امام ذہبیؒ نے بھی یحییٰ بن معینؒ، علی بن مدینیؒ، امام بخاریؒ، امام نسائیؒ وغیرہ سے عبدالرحمٰن بن زید کا ضعیف ہونا نقل کیا ہے۔ (میزان الاعتدال ۲/۵۶۴)

حافظ ابن حجرؒ نے متعدد علما سے عبدالرحمٰن بن زید کی تضعیف نقل کرنے کے بعد ابن جوزیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ''تمام محدثین کا اس کے ضعیف ہونے پر اجماع ہے۔''

(تہذیب التہذیب ۶/۱۷۹)

امام حاکمؒ نے اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد اگرچہ اسے صحیح الاسناد کہا ہے، لیکن محدثین نے ان کی اس بات کو غلط اور ان کا صریح تناقض قرار دیتے ہوئے، اُنہیں سخت تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

''امام حاکمؒ کے اس حدیث کو روایت کرنے پر سخت تنقید کی گئی ہے کیونکہ انہوں نے بذاتِ خود اپنی کتاب المدخل إلی معرفة الصحیح من السقیم میں عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کے متعلق یہ صراحت کی ہے کہ یہ اپنے باپ سے موضوع احادیث بیان کرتا تھا۔ غور کرنے سے اس فن کے ماہرین پر یہ بات واضح ہوجائے گی کہ اس حدیث کا دارو مدار اس عبدالرحمٰن بن زید پر ہے اور میں کہتا ہوں کہ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم سب محدثین کے نزدیک بالاتفاق ضعیف ہے کیونکہ وہ بہت غلطیاں کرتا تھا۔ اسی بنا پر امام احمد بن حنبل، ابوزرعہ، ابوحاتم، امام نسائی، امام دارقطنی رحمہم اللہ اور دیگر متعدد محدثین نے اسے ضعیف قرار

www.KitaboSunnat.com

دیا ہے۔ ابن حبانؒ فرماتے ہیں: وہ لاعلمی میں احادیث کو بدل دیا کرتا تھا، حتیٰ کہ اس نے متعدد مرسل روایات کو مرفوع اور موقوف روایات کو مسند بنا دیا جس کی وجہ سے یہ محدثین کے نزدیک متروک قرار پایا۔ اس جیسی احادیث کو صحیح قرار دینے کی وجہ سے محدثین نے امام حاکمؒ پر سخت تنقید کی ہے اور کہا ہے کہ امام حاکمؒ ایسی روایات کو بھی صحیح قرار دے دیتے ہیں جو ماہرین حدیث کے نزدیک موضوع اور من گھڑت ہیں۔ اسی لئے حدیث کے ماہرین علما تنہا امام حاکمؒ کے کسی حدیث کو صحیح قرار دینے پر اعتماد نہیں کرتے۔'' (القاعدة الجلية، ص۸۹)

نیز امام حاکمؒ کا تساہل بھی محدثین کے نزدیک ایک مسلمہ امر ہے۔ علامہ بدرالدین عینی حنفیؒ اور امام ذہبیؒ نے اس حقیقت کی نشاندہی ان الفاظ میں کی ہے:

لاريب أن في المستدرك أحاديث كثيرة ليست على شرط الصحة بل فيه أحاديث موضوعة شان المستدرك بإخراجها فيه (تذکرۃ الحفاظ ۱۰۴۲/۳)

''بلاشبہ المستدرك میں بکثرت ایسی احادیث موجود ہیں جو صحیح حدیث کی شرط کے مطابق نہیں بلکہ اس میں موضوع احادیث بھی ہیں جن کا تذکرہ مستدرک پر ایک دھبہ ہے۔''

ابن حجرؒ نے عبدالرحمٰن بن زید کے بارے خود امام حاکمؒ کا یہ قول نقل کیا ہے جس سے امام حاکمؒ کا اس سلسلہ میں تساہل اور تناقض واضح ہوتا ہے، فرماتے ہیں:

''یہ شخص اپنے باپ سے موضوع احادیث بیان کیا کرتا تھا۔'' (تہذیب التہذیب ۱۷۹/۶)

شیخ البانیؒ نے امام حاکمؒ کے اس قول کو متناقض قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ خود امام حاکمؒ نے اس روایت میں موجود راوی عبدالرحمٰن کی ایک دوسری روایت کو غیر صحیح کہا ہے اور فرمایا ہے کہ شیخین نے عبدالرحمٰن بن زید کو ناقابل حجت قرار دیا ہے۔ نیز خود امام حاکمؒ نے عبدالرحمٰن بن زید کو اپنی كتاب الضعفاء میں ذکر کیا ہے۔

امام ابن حجرؒ نے امام حاکمؒ کے اس تساہل اور تناقض کی وجہ یہ ذکر کی ہے کہ

''مستدرک کی تصنیف کے وقت ان کے حافظے میں فرق آ گیا تھا، اس کی دلیل یہ ہے کہ اُنہوں نے رواۃ کی ایک کثیر تعداد کو اپنی كتاب الضعفاء میں ذکر کیا ہے اور ان سے استدلال کو ممنوع قرار دیا ہے، لیکن اپنی کتاب مستدرک میں خود اُنہیں سے روایات نقل کی ہیں اور اُنہیں صحیح قرار دیا ہے۔'' (لسان المیزان ۲۳۳/۵)

www.KitaboSunnat.com

اور اس کے بعد بطورِ مثال انہوں نے اسی عبدالرحمٰن بن زید کی مذکورہ موضوع روایت کا حوالہ دیا ہے۔

امام سبکیؒ نے بھی امام حاکمؒ کی تقلید میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے جس پر حافظ ابن عبدالہادیؒ نے حیرت کا اظہار کیا ہے۔ اور اس حدیث کو موضوع قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ امام حاکمؒ کا اس حدیث کو صحیح کہنا ان کا صریح تناقض ہے۔ (الصارم المنکی، ص۳۲ بحوالہ التوسل: انواعہ واحکامہ، ص ۱۰۹)

محدثین کی ان توضیحات سے جہاں مستدرک حاکم کا صحیح مقام متعین ہوتا ہے، وہاں یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ یہ حدیث دیگر تمام علما سمیت امام حاکمؒ کے نزدیک بھی موضوع ہے کیونکہ وہ خود عبدالرحمٰن بن زید کو ضعیف اور ناقابل اعتبار قرار دے چکے ہیں۔ چنانچہ امام ناصر الدین البانیؒ فرماتے ہیں:

''جو شخص امام حاکمؒ کی ساری کلام پر غور کرے گا، اس پر یہ بات واضح ہوجائے گی کہ یہ حدیث خود امام حاکمؒ کے نزدیک بھی موضوع ہے۔'' (التوسل: انواعہ واحکامہ، ص ۱۰۵)

ساتویں روایت: «لولا محمد ما خلقتُ آدم ولولا محمد ما خلقتُ الجنة والنار ولقد خلقت العرش على الماء فاضطرب فكتبتُ عليه لا إله إلا الله محمد رسول الله فسَكَنَ»

''اگر محمدؐ نہ ہوتے تو میں آدم کو پیدا نہ کرتا اور اگر محمدؐ نہ ہوتے تو میں جنت وجہنم کو پیدا نہ کرتا۔ میں نے عرش کو پانی کے اوپر پیدا کیا تو وہ ہلتا تھا مگر جب میں نے اس پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا تو وہ ٹھہر گیا۔''

اس روایت کو بھی امام حاکمؒ نے عبداللہ بن عباسؓ سے موقوف ذکر کرنے کے بعد صحیح کہا ہے، لیکن امام ذہبیؒ نے مستدرک کے ذیل میں اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔

(المستدرك مع تلخيص الذهبي ٢/٦١٥)

چنانچہ امام ذہبیؒ فرماتے ہیں: عمرو بن أوس يجهل حاله أتى بخبر منكر أخرجه الحاكم في مستدركه وأظنه موضوعًا

''عمرو بن اوس مجہول الحال راوی ہے اور اس نے ایک منکر روایت بیان کی ہے جسے امام حاکمؒ نے مستدرک میں ذکر کیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے۔''

www.KitaboSunnat.com

ان روایات کا قرآن کریم سے تعارض

اگر کوئی روایت بہ سندِ صحیح ثابت ہو جائے تو وہ قرآن مجید کے خلاف نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ قرآنِ مجید کی طرح حدیث بھی وحی ہے اوروحی چونکہ اللہ کی طرف سے آتی ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ کے کلام میں باہمی تناقض کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جب کہ جھوٹی احادیث وضع کرنے والوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ ان کی اکثر احادیث قرآن مجید کے صریح خلاف نکلتی ہیں۔ کچھ یہی معاملہ زیر بحث روایات کا بھی ہے کیونکہ یہ قرآنِ کریم کی واضح نص کے خلاف ہیں۔ ان احادیث کا مدعا یہ ہے کہ کائنات، جنت وجہنم اور آدم و بنی نوعِ انسان کی تخلیق رسول اللہ ﷺ کی تخلیق کی مرہونِ منت ہے، لیکن یہ نظریہ قرآنِ کریم سے صریح متصادم ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تخلیق کائنات کا مقصد اور حکمت یہ بیان فرمائی ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالإِنْسَ إِلاَّ لِيَعْبُدُوْنِ﴾ (الذاریات:۵۶)

''میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا۔''

اسی طرح وہ حدیث جس میں یہ ذکر ہوا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو رسول اللہ ﷺ کی ذات کا توسل پکڑنے کی وجہ سے معاف فرمایا تھا۔'' کے موضوع اور من گھڑت ہونے کی تائید بھی اس بات سے ہوتی ہے کہ یہ قرآنِ کریم کے واضح حکم سے متصادم ہے۔ کیونکہ قرآنِ مجید میں صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو ذاتِ الٰہی کے توسل کے باعث معاف کیا تھا اور توسل کے الفاظ بھی اللہ تعالیٰ نے خود ہی سکھائے تھے۔ چنانچہ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿فَتَلَقّٰى آدَمُ مِن رَّبِّهِ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ إِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾ (البقرۃ:۳۷)

''پھر آدمؑ نے اپنے ربّ سے چند کلمات حاصل کئے، جن سے اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمالی، بلاشبہ وہی توبہ قبول کرنے والا، رحم کرنے والا ہے۔''

حضرت ابن عباسؓ نے اس آیت کی جو تفسیر فرمائی ہے، وہ بھی اس حدیث کے بطلان کو واضح کرتی ہے۔ ان سے یہ تفسیر منقول ہے:

قال: أي رب ألم تخلقني بيدك؟ قال:بلىٰ، قال: ألم تنفخ فيّ من روحك؟ قال:بلىٰ ، قال: أي رب ألم تسكني جنتك؟ قال: بلىٰ ، قال: ألم تسبق رحمتك غضبك؟ قال: بلىٰ قال:أرأيت إن تبتُ وأصلحتُ،

www.KitaboSunnat.com

تراجعني أنت إلى الجنة قال بلىٰ، قال: فهو قوله:﴿فَتَلَقّٰى آدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمَاتٍ﴾ (البقرة:۳۷)

''حضرت آدمؑ نے عرض کی: اے میرے پروردگار! کیا تو نے مجھے اپنے دستِ مبارک سے پیدا نہیں فرمایا؟ اللہ نے فرمایا: کیوں نہیں؟ عرض کیا: کیا تو نے مجھ میں روح نہیں پھونکی تھی ؟ اللہ نے فرمایا: کیوں نہیں، عرض کیا: کیا تو نے مجھے اپنی جنت میں جگہ نہیں دی تھی؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیوں نہیں۔ عرض کیا: کیا تیری رحمت تیرے غضب پر غالب نہیں ہے؟ فرمایا: ہاں ایسے ہی ہے۔ عرض کیا: اگر میں توبہ کرلوں اور راہِ راست پر آ جاؤں تو کیا تو مجھے جنت کی طرف لوٹائے گا؟ اللہ نے فرمایا: کیوں نہیں اور یہی مفہوم ہے اللہ کے فرمان: ﴿فَتَلَقّٰى آدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ﴾ کا۔'' (تفسیر طبری ۱/۲۴۳، تفسیر ابن کثیر ۱/۸۲، مستدرک حاکم ۲/۵۹۴)

ابن عباسؓ کے مذکورہ بالا قول کو امام حاکمؒ، امام ذہبیؒ اور علامہ البانیؒ نے بھی صحیح قرار دیا ہے۔ نیز یہ بات واضح رہے کہ ابن عباسؓ کی یہ تفسیر حدیث مرفوع کا درجہ رکھتی ہے، کیونکہ کسی صحابیؓ کا ایسے اُمورِ غیبیہ کے متعلق خبر دینا جس میں رائے اور اجتہاد کا دخل نہ ہو محدثین کے نزدیک 'مرفوعِ حکمی' کا درجہ رکھتا ہے۔

بعض علما نے کہا ہے کہ ﴿فَتَلَقّٰى آدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمَاتٍ﴾ سے مراد یہ آیت ہے:

﴿قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ (تفسیر المنار از علامہ رشید رضا مصری، ص ۲۷۹)

بقول شیخ البانیؒ ان دونوں تفاسیر کے درمیان کوئی تضاد نہیں ہے، بلکہ دونوں ایک دوسرے کی تکمیل اور تتمہ ہیں۔ (تفصیل کیلئے شیخ البانیؒ کی کتاب: التوسل أنواعه وأحكامه، ص ۱۰۲ تا ۱۱۳)

معروف حنفی عالم مولانا گوہر رحمٰنؒ نے بھی اس طرح کی تمام روایات کو لفظاً و معناً موضوع قرار دیتے ہوئے اُنہیں خلافِ قرآن قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

''جب ہم درایت اور مفہوم کے اعتبار سے ان روایات پر غور کرتے ہیں تو ان کا مضمون و مفہوم قرآن کے خلاف نظر آرہا ہے۔ قرآن سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اِنس و جن کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے اور انبیاء و رسل کو عبادت کے طریقے سکھانے اور لوگوں کو اللہ کی بندگی کی دعوت دینے کے لئے بھیجا گیا ہے، لیکن یہ روایات کہتی ہیں کہ ساری دنیا محمد ﷺ

www.KitaboSunnat.com

کی وجہ سے پیدا کی گئی ہے، اگر آپؐ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا۔'' (تفہیم المسائل ۶۳/۳)

احناف کے نزدیک ضعیف حدیث تو درکنار صحیح خبر بھی عقائد میں حجت نہیں

حضرت آدم اور کائنات کی تخلیق کو تخلیقِ محمد ﷺ کا مرہونِ منت قرار دینا خالصتاً عقائد کا مسئلہ ہے جس کے ثبوت کے لئے نص متواتر یا کم از کم سنتِ صحیحہ کا ہونا ضروری ہے، بلکہ احناف اور معتزلہ وغیرہ کے نزدیک ضعیف حدیث تو درکنار صحیح خبر واحد بھی عقائد میں حجت نہیں ہے۔ لیکن افسوس کہ یہاں ضعیف کی شدید ترین قسم موضوع روایات سے استدلال کرتے ہوئے ان پر گمراہ کن نظریات کی بنیاد کھڑی کی جارہی ہے اور لفظ لولاك کو تحریر وتقریر میں برملا استعمال کیا جاتا ہے۔ اور حد یہ ہے کہ اسی نام سے ایک ماہانہ رسالہ ملتان سے شائع ہوتا ہے جو عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کا ترجمان ہے۔ اس رسالہ کے منتظمین سے گزارش ہے کہ وہ مذکورہ بحث کی روشنی میں اپنے رسالہ کے نام پر نظر ثانی فرمائیں کیونکہ جس طرح احادیث وضع کرنا حرام ہے، اسی طرح موضوع احادیث کی اشاعت بھی حرام ہے!

عربی قواعد کی رو سے

مذکورہ روایات کے من گھڑت ہونے کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ عربی لغت لولاك کی ترکیب قبول کرنے سے ابا کرتی ہے۔ اگر کسی صحیح نص سے اس ترکیب کا وجود ثابت ہو جاتا تو اسے حدیثِ صحیح باور کرکے اس کی بنیاد پر ہم تمام لغاتِ عرب کو بالائے طاق رکھ کر اس ترکیب کو تسلیم کر لیتے، لیکن یہاں قرآن اور صحیح حدیث تو درکنار لغتِ عرب کی معروف لغات: الصحاح از جوہری، کتاب العین از فراہیدی، الخصائص از ابن جنی ، القاموس المحیط از علامہ مجدالدین فیروز آبادی، مجمل اللغۃ از احمد بن فارس، اساس البلاغۃ از زمخشری ، لسان العرب از ابن منظور، المنجد، المعجم الوسیط اور قدیم عربی لٹریچر میں بھی اس ترکیب کا وجود نہیں ہے، ہاں البتہ عربی لغت میں لولا أخرتني ، لولا فضل الله ، لولا أنت وغیرہ کی تراکیب استعمال ہوئی ہیں، یعنی اسم ظاہر یا ضمیر مرفوع کے ساتھ، مثلاً قرآن میں ہے: ﴿لَوْلَا أَخَّرْتَنِي إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ اسی طرح حدیث میں ہے: «اللهم لولا الله ما اهتدیتنا» (بخاری:۴۱۰۴) ایک دوسری روایت میں «اللهم لولا أنت ما اهتدینا» (بخاری:۴۱۰۶)

البتہ بعض متاخرین نے اس ترکیب کو استعمال کیا ہے، مثلاً قصیدہ بردہ میں بوصیریؒ کا ایک شعر ہے:

وكيف تدعو إلى الدنيا ضرورة من لولاه لم تخرج الدنيا من العدم

لیکن متاخرین میں سے ہونے کی وجہ سے ان کا کلام لغتِ عربی میں استدلال کی بنیاد نہیں بنایا جا سکتا، چنانچہ لغت کے بہت بڑے امام ابومنصور محمد بن احمد بن ازہر الازہری اور لغتِ ادب میں یکتائے روزگار امام جوہری ربیعہ الرقی کے ایک شعر پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ليس قول ربيعة بحجة إنما هو مولد (الصحاح ۱/۲۵۵ زیر مادّہ شتت)

''ربیعہ چونکہ مولدین شعرا میں سے ہے، لہٰذا اس کا یہ شعر حجت نہیں بن سکتا۔''

جب مولدین (دورِ بنواُمیہ اور بنوعباس کے شعرا) کا کلام علماے لغت کے نزدیک دلیل نہیں بن سکتا تو محمد بن سعید بوصیری مصریؒ (۶۰۸ تا ۶۹۶ھ) جو ساتویں صدی ہجری کے شاعر ہیں، ان کا کلام کس طرح حجت ہوسکتا ہے؟

☜ نیز یہ ترکیب نحوی قواعد کے بھی خلاف ہے۔ الفیة ابن مالک میں ہے:

''و'لولا' و'لوما' يلزمان الابتداء'' اس کی شرح میں ابن عقیلؒ کہتے ہیں:

فلا يدخلان إلا علىٰ المبتداء ويكون الخبر بعدهما محذوفا

''لولا اور لوما ہمیشہ مبتدا پر داخل ہوتے ہیں اور اس کے بعد ان کی خبر وجوباً حذف ہوتی ہے۔'' (شرح ابن عقیل: ۲/۵۵)

اور 'کاف ضمیر' ہمیشہ منصوب یا مجرور متصل استعمال ہوتی ہے اور نحو کا یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ ضمیر متصل کبھی مبتدا نہیں بن سکتی۔ ابن عقیل لکھتے ہیں:

فالمتصل: هو الذي لا يبتدأ به كالكاف (أيضًا)

''ضمیر متصل وہ ہوتی ہے جو مبتدا نہ بن سکے، مثلاً کاف۔''

اور لولاك میں 'کاف ضمیر' نہ تو متصل استعمال ہوئی ہے اور نہ ہی مبتدا بننے کی اہل ہے، لہٰذا قاعدہ کے صریح خلاف ہے۔

اور یہ حقیقت ہے کہ وہ کلام جو محفوظ و ماثور عربی زبان، مسلمہ نحوی قواعد اور جاہلی عربی لٹریچر کے غالب شواہد کے خلاف ہو، وہ قابل ردّ ہے کیونکہ متاخرین کا کلام تو کیا قدیم اور جاہلی

www.KitaboSunnat.com

لٹریچر بھی تمام کا تمام صحیح اور قابل استناد نہیں ہے۔ چنانچہ اُستاذ عباس محمود عقاد نے لکھا ہے کہ

''جاہلیت کے عربی ورثہ سے استدلال کرنے کا مطلب یہ قطعاً نہیں ہے کہ عرب کے شعراء وخطبا اور قبائل کی طرف منسوب عربی زبان کا یہ جاہلی ورثہ تمام کا تمام صحیح ہے، لہٰذا اس کے تمام تر ذخیرہ کو قابل استدلال قرار نہیں دیا جاسکتا...عربی ادب کا وہ ذخیرہ جو محفوظ اور ماثور ہے (قرآن اور احادیثِ صحیحہ) وہ تو یقیناً حجت ہے، لیکن جو اس کے علاوہ ہے، اگر وہ صحیح اور متفق علیہ کلام عرب کے خلاف ہو تو اس کا انکار کیا جاسکتا ہے۔'' (مقدمہ الصحاح، ص ۱۔۴)

احمد عبدالغفور عطار 'الصحاح از جوہری' کے مقدمہ میں فرماتے ہیں:

''اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ جاہلی ادب غلطی اور لحن سے محفوظ ہے تو وہ غلطی پر ہے، کیونکہ اس میں لحن اور غلطیاں موجود ہیں۔ جاہلی شعری ادب میں ایسے اشعار بھی ہیں جو قواعدِ نحو کے سراسر خلاف ہیں۔'' (مقدمہ الصحاح، ص ۱۵)

یہ درست ہے کہ نحو وصرف کے قواعد کی بنیاد پر قدیم عربی لٹریچر کو ردّ کرنا صحیح نہیں ہے، لیکن وہ کلامِ عرب جو محفوظ و ماثور عربی ورثہ اور جاہلی ادب کے غالب شواہد کے خلاف ہو، اسے قطعاً استدلال کی بنیاد نہیں بنایا جاسکتا۔

جب جاہلی ادب کلی طور پر استدلال کی بنیاد نہیں بن سکتا تو پھر مولدین اور بعد کے شعراء کا وہ کلام جو قرآن، احادیثِ صحیحہ کے ساتھ ساتھ جاہلی ادب کی تراکیب ومفردات اور مسلمہ قواعد نحویہ کے بھی خلاف ہو، اسے استدلال کی بنیاد بنانا کیسے روا ہوسکتا ہے؟ کیونکہ یہ بات بلاخوفِ تردید کہی جاسکتی ہے کہ بعد کا عربی لٹریچر غیر عرب اقوام کے عرب اقوام کے ساتھ اختلاط کی وجہ سے عجمی آمیزش سے محفوظ نہیں رہا۔ یہی وجہ تھی کہ ائمہ لغویین کو معاجم کی تالیف کے دوران اصل ابنائے عرب سے فصیح عربی زبان کی تلاش میں بادیہ پیمائی کرنا پڑی۔

اس سے اس حقیقت کی واضح تائید ہوتی ہے کہ لو لاك کی ترکیب خالص عجمی ترکیب ہے جو وضاعین حدیث کی کارستانی ہے اور ایسی غیر فصیح، قواعدِ لغت اور کلامِ عربیہ کے خلاف عبارت أفصح العرب زبانِ نبوت سے صادر نہیں ہوسکتی۔

ان احادیث کے پس پردہ عقائد کی خرابی

درحقیقت ان جیسی تمام احادیث کے پس پردہ ان واضعین حدیث کا مقصد اپنے اس گمراہ

www.KitaboSunnat.com

کن نظریہ کو ثابت کرنا ہے کہ حاجات کے سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کو وسیلہ بنایا جاسکتا ہے، حالانکہ یہ نظریہ باطل اور قرآن وسنت کے خلاف ہے۔ اللہ کی ذات، صفات، نیک اعمال اور کسی متقی اور صالح شخص کی دعا کے علاوہ کسی بھی چیز کا وسیلہ جائز نہیں ہے۔ (تفصیل کیلئے دیکھئے: مولانا عبدالرحمٰن کیلانی کا مضمون ''توسل واستعانت'' محدث: جلد ۳۴/عدد ۷ و ۱۲)

اور اس طرح کی تمام روایات اسرائیلیات کا شاخسانہ معلوم ہوتی ہیں جنہیں بعض غیر مسلم عناصر نے اپنے مخصوص اہداف یا بعض مسلمانوں نے اپنے باطل نظریات کی تائید کے لئے رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کردیا ہے۔

▣ شیعہ حضرات نے بھی اِنہی خودساختہ روایات کی بنیاد پر یہ روایت گھڑی:

"لو لا علي ما خلقتُك" ''اگر علیؓ نہ ہوتے تو میں تمہیں بھی پیدا نہ کرتا''

اور اس کے بعد قادیانیوں کے جھوٹے نبی مرزا غلام احمد قادیانی نے جھوٹی روایت "لو لاك لما خلقت الأفلاك" کو اپنے اوپر چسپاں کرلیا اور کہا کہ اس میں مجھے مخاطب کیا گیا ہے اور دعویٰ کیا کہ افلاک کی تخلیق میری نبوت کی مرہونِ منت ہے اور قادیانیوں کا یہی عقیدہ ہے۔ (حقيقة الوحي ص ۹۹)

بہرصورت اگر عربی میں یہ ترکیب ثابت بھی ہوجاتی ہے تو بھی مذکورہ تصریحات کی روشنی میں یہ بات بالجزم کہی جاسکتی ہے کہ یہ الفاظ اللہ کے رسول ﷺ سے ثابت نہیں ہیں اور جن احادیث کی بنیاد پر 'لولاک' والی حدیث کو معنوی لحاظ سے صحیح قرار دینے کی کوشش کی گئی ہے، وہ بھی موضوع اور ضعیف ہیں اور مذکورہ بالا نوعیت کی ان روایات کے پس پردہ گمراہ کن نظریہ پنہاں ہے۔ کوئی ایسی بات رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرنا جو آپ ﷺ کی زبانِ اطہر سے صادر نہیں ہوئی، خصوصاً ایسی بات جو توحید اور اسلامی عقیدہ میں رخنہ انداز بھی ہو، یقیناً آپ ﷺ کی عظمت کا مظہر نہیں، بلکہ آپ ﷺ کی توہین کے مترادف ہے۔

قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے 'بزمِ کونین' حضور کے لئے نہیں، بلکہ اس لئے سجائی اور موت وحیات کو اس لئے پیدا کیا تاکہ ﴿لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا﴾ (الملک:۲)

''وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون سب سے بہترین عمل کرتا ہے۔''

www.KitaboSunnat.com

دارالافتاء

مولانا مفتی حافظ ثناء اللہ خاں مدنی
شیخ الحدیث جامعہ لاہور الاسلامیہ

آسمان وزمین کی تخلیق کے دن؟ معراج کی رات قلم کی آواز؟ دانتوں کی صفائی کے بارے میں چند سوالات

نماز میں سر ڈھانکنا؟

❁ **سوال:** رسول کریم ﷺ کا سر ڈھانکنے کے سلسلہ میں کیا معمول تھا؟ کیا آپؐ ہمیشہ ننگے سر نماز پڑھتے تھے یا سر ڈھانک کر؟ ان ہر دو اعمال میں سے کون سا عمل سنتِ نبویؐ کے زیادہ قریب ہے یا اجر وثواب کے لحاظ سے کون سا عمل دوسرے سے بڑھ کر ہے؟ (ماسٹر لال خان)

جواب: رسول اللہ ﷺ کے قول وعمل سے دونوں طرح نماز پڑھنا ثابت ہے:

أن النبي ﷺ صلی في ثوب واحد قد خالف بین طرفیه

''نبی ﷺ نے ایک ہی کپڑا اوڑھ کر نماز پڑھی جس کے پڑھنے کی صورت یہ تھی کہ کپڑے کے دونوں سرے اُلٹے کرکے دوسرے کندھے پر ڈال لیے۔'' (صحیح بخاری:۳۴۱)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ سر ننگا تھا۔ نیز بلوغ المرام باب شروط الصلاۃ میں ارشادِ نبویؐ ہے کہ جب کپڑا فراخ ہو تو اوڑھ لے، یعنی صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایت میں اوڑھنے کا طریقہ بتایا ہے کہ کپڑے کی دونوں طرفین خلاف طور پر کرے۔ (متفق علیہ) یہ قولی حدیث کی مثال ہے، جبکہ پہلی حدیث کا تعلق عمل سے ہے۔ اس بارے میں وارد تمام احادیث کی روشنی میں یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ سر ڈھانک کر یا ننگے سر نماز پڑھنے کا جواز ہے، کسی ایک جانب کو ترجیح دینا بلا دلیل ہے، تاہم شریعت میں عورت کے لئے سر ڈھانکنا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ ننگے سر اس کی نماز نہیں ہوتی۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے: أن النبي ﷺ قال لا یقبل اللہ صلاۃ حائض إلا بخمار (بلوغ المرام: باب شروط الصلاۃ)

''اللہ تعالیٰ بالغہ عورت کی نماز بلا اوڑھنی کے قبول نہیں کرتا۔''

www.KitaboSunnat.com

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ مرد کے لئے نماز میں سر ڈھانکنا ضروری نہیں، اس کو دونوں طرح اختیار ہے۔لہٰذا دونوں صورتوں میں اجر وثواب برابر ہے،تفریق کی کوئی وجہ نہیں۔

نماز میں مقتدی کی قراءت رہ جائے تو……

❁ سوال: ایک شخص نے ظہر کی نماز کے لئے تکبیر کہی۔نماز پڑھنے کے بعد جب امام نے سلام پھیرا تو یہی شخص پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہوگیا۔پوچھنے پراس نے بتایا کہ میری پہلی رکعت میں سورۃ الفاتحہ رہ گئی تھی، اس لئے میں وہ رکعت پڑھنے کے لئے کھڑا ہوا تھا۔سوال طلب امر یہ ہے کہ کیا تکبیر کہنے والے کا پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہونا درست ہے؟

جواب: ایسے تساہل پر رکعت لوٹانے کی ضرورت نہیں جس کی دلیل یہ حدیث ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ مغرب کی پہلی رکعت میں قراءت کرنا بھول گئے اور دوسری رکعت میں سورۃ فاتحہ دو دفعہ پڑھ بیٹھے۔نماز سے فراغت کے بعد انہوں نے سجودِ سہو کیے۔

ایک اور موقع پر وہ کلی طور پر مغرب کی نماز میں قراءت کرنا بھول گئے تو نماز دوبارہ پڑھائی اور ساتھ یہ فرمایا کہ لا صلاة ليست فيها قراء ة (فتح الباری:۳/۹۰)''وہ نماز ہی نہیں جس میں قراءت نہیں۔'' حضرت عمرؓ کے دونوں واقعات سے معلوم ہوا کہ بالکل قراءت نہ کرنے کی صورت میں تو نماز دوبارہ پڑھنا ہوگی، البتہ کچھ کمی کی صورت میں دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔صرف سجودِ سہو پر اکتفا ہوسکتا ہے،لیکن مقتدی ہونے کی صورت میں میرے خیال میں اس کی بھی ضرورت نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

بلند آواز سے آمین کہنا؟

❁ سوال: کیا کسی صحیح حدیث میں آتا ہے کہ صحابہ کرامؓ پیغمبر اسلام کے پیچھے اونچی آواز میں آمین کہتے تھے؟

جواب: ہاں احادیث سے ثابت ہے کہ صحابہ کرامؓ آپؐ کی اقتدا میں آمین باآوازِ بلند پکارتے تھے۔صحیح بخاری میں ہے کہ ''عبداللہ بن زبیرؓ اور ان کے مقتدی اتنی بلند آواز سے آمین کہا کرتے تھے کہ مسجد گونج اُٹھتی تھی۔'' (بخاری؛ کتاب الاذان،باب جهر الامام بالتأمين)

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:«إذا أمّن الإمام فأمّنوا»

www.KitaboSunnat.com

''جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو۔'' (صحیح بخاری:۷۸۰)

اور صحیح بخاری کی ہی ایک دوسری روایت کے الفاظ یوں ہیں:

«إذا أمن القاري فأمّنوا» ''جب قاری آمین کہے تو تم بھی آمین کہو۔'' (صحیح بخاری:۶۴۰۲)

ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ امام تھے اور صحابہؓ مقتدی تھے، سب اکٹھے آمین پکارتے تھے۔

معراج پر نبی کریم ﷺ کو کونسا قلم چلتا ہوا سنائی دیا؟

❁ **سوال:** صحیح بخاری میں آتا ہے کہ جب پیغمبر اسلامؐ معراج پر گئے تو وہاں اُنہوں نے قلم چلنے کی آواز سنی تو یہ کونسا قلم چل رہا تھا پھر اللہ کے رسولؐ کو اس کی کیسے آواز سنائی دی؟

جواب: اس سے مراد وہ فیصلہ جات ہیں جو فرشتے رقم کررہے تھے۔ فتح الباری میں ہے:

والمراد ما تكتبه الملائكة من أقضية الله سبحانه وتعالى (۴۶۲/۱) اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو قلم چلنے کی آواز سنائی سو آپ نے سن لی۔ ﴿لِتَعْلَمُوْا أَنَّ اللهَ عَلَى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيْرٌ وَأَنَّ اللهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْئٍ عِلْمًا﴾ (الطّلاق:۱۲) ''تاکہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور یہ کہ اللہ ہر چیز کو اپنے علم سے احاطہ کئے ہوئے ہے۔''

آسمان وزمین کی تخلیق میں چھ دن کونسے مراد ہیں؟

❁ **سوال:** اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے کہ ہم نے عرش اور زمین کو چھ دن میں بنایا تو چھ دن سے کیا مراد ہے؟

جواب: چھ دنوں میں اختلاف ہے، ایک قول میں اس سے دنیا کے دن مراد ہیں، جبکہ دوسرے قول میں آخرت کے دن مقصود ہیں، مجاہد کا قول یہی ہے۔(فتح القدیر، شوکانی:۵۰۸/۴)

قيل هذه الأيام من أيام الدنيا وقيل من أيام الآخرة (زبدۃ التفسیر ص۲۰۱)

حقیقتِ حال اللہ بہتر جانتا ہے، لیکن بظاہر اس سے دنیاوی دن مراد ہونے چاہئیں، کیونکہ قرآن کریم عربوں کے فہم کے مطابق نازل ہوا ہے۔

زیب وزینت کے بعض حرام طریقے

❁ **سوال:** صحیح بخاری میں عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث ہے کہ

www.KitaboSunnat.com

”آنحضرت ﷺ نے چوٹلہ لگانے اور لگوانے والی، گودنے اور گدوانے والی عورت پر لعنت کی ہے کیونکہ اللہ نے چوٹلہ لگانے اور لگوانے والیوں پر، گودنے اور گدوانے والیوں پر، چہرے کے بال نکالنے والیوں پر اور حسن کیلئے دانتوں کو کشادہ کرانے والیوں پر لعنت کی جو اللہ کی خلقت کو بدلتی ہیں اور مجھے کیا ہے جو میں ان پر لعنت نہ کروں جن پر اللہ تعالیٰ کے رسولؐ نے لعنت کی اور قرآن میں اس کی دلیل یہ ہے: ﴿وَمَا آتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ...﴾“ (رقم:۵۴۷٦)

تو بتائیے کہ چوٹلے، بال گودنے، گدوانے، چہرے کے بال نکالنے اور حسن کے لئے دانت کشادہ کرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: دانت کشادہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ سامنے ملے ہوئے دانتوں کو ریتی وغیرہ سے رگڑ کر کشادگی پیدا کر کے خوبصورت بنانا تاکہ بڑی عمر کی عورت چھوٹی نظر آئے۔ ایسا کرنا حرام ہے اور گودنے اور گدوانے سے مراد یہ ہے کہ چہرے، ہونٹوں یا ہاتھوں وغیرہ میں سوئی لگائی جائے یہاں تک کہ خون بہہ جائے پھر اس کو چونے یا سرمہ وغیرہ سے بھر دیا جائے۔ اس طرح خون رکنے سے یہ جگہ نجس ہوجاتی ہے، ممکنہ حد تک اس کا ازالہ ضروری ہے، اگرچہ زخم لگا کر ہی اس کو کیوں نہ زائل کیا جائے، الا یہ کہ عضو کے تلف یا بیکار ہونے کا ڈر ہو، ایسی صورت میں گناہ کے ازالہ کے لئے توبہ کافی ہے۔ یاد رہے کہ یہ حکم مرد اور عورت دونوں کے لئے یکساں ہے۔ اور چہرے سے بال نکالنے کا مطلب یہ ہے کہ کسی آلہ کے ذریعے چہرے سے بال اُکھیڑے جائیں، یہ بھی منع ہے۔ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ یہ حکم پلکوں کے بالوں کے ساتھ خاص ہے، ان کو اوپر یا برابر کرنا اصل خلقت میں تبدیلی ہے، اس لئے منع ہے۔ بالوں میں بال ملانا چاہے اپنے ہوں یا کسی اور عورت کے یا مصنوعی اور کسی دوسرے سے ملانے کا تقاضا کرنا سب حرام ہیں۔ آج کل عورتوں میں یہ برے فیشن عام ہیں جبکہ نبی کریمؐ نے ایسا کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔ اللہ ربّ العزت توبہ کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین!

دانتوں کی صفائی پر چند سوالات

❁ **سوال:** دانت، منہ اور مسوڑھوں کی صفائی مسواک کی بجائے ٹوتھ برش سے کرنا اور اس مقصد کے لئے ٹوتھ پیسٹ کا استعمال شرعی لحاظ سے کیسا ہے؟ کیا اس عمل سے ثواب حاصل ہوگا؟ کیا ٹوتھ برش مسواک کا نعم البدل ہوسکتا ہے اور سنت پر عمل ہوجائے گا؟

www.KitaboSunnat.com

جواب: اہل علم کی اصطلاح میں مسواک کا اطلاق ہر اس آلے پر ہوتا ہے جس سے دانتوں کی صفائی ہو، چاہے لکڑی ہو یا ٹوتھ برش وغیرہ۔ بوقتِ ضرورت صفائی اُنگلی سے بھی ہوسکتی ہے۔ (نیل الاوطار:۱/۱۲۱) غرضیکہ اس کے لیے کوئی آلہ مخصوص نہیں۔ ٹوتھ پیسٹ کے استعمال کا کوئی حرج نہیں بشرطیکہ اجزا میں کوئی حرام شے شامل نہ ہو۔ اگر اس فعل کو ثواب کی نیت سے کرتا ہے تو یقیناً اجر و ثواب ملے گا اور سنت پر عمل بھی ہوجائے گا۔

❁ **سوال:** روزے کی حالت میں پیسٹ (Paste) کے ساتھ دانت برش کرنا کیسا ہے؟ بعض علما کہتے ہیں کہ روزے دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کو بہت پیاری ہے (پسند ہے) تو کیا روزے کی حالت میں مسواک / برش کا استعمال ترک کردینا چاہئے؟

جواب: روزے کی حالت میں پیسٹ کے ساتھ دانت برش کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ امام شوکانی نے نیل الاوطار (۱/۲۲) میں ان لوگوں کی تردید کی ہے جو بحالتِ روزہ مسواک کے قائل نہیں۔ فرماتے ہیں:

فإن السواك نوع من التطهر المشروع لأجل الرب سبحانه لأن مخاطبة العظماء مع طهارة الأفواه تعظيم لا شك فيه ولأجله شرع السواك وليس في الخلوف تعظيم ولا إجلال

''مسواک اللہ کی رضا کی خاطر طہارت و پاکیزگی کی مسنون نوع ہے، کیونکہ بڑوں کے ساتھ ہم کلام ہونے سے پہلے منہ صاف کرنےمیں بلاشبہ ان کی تعظیم کا پہلو پایا جاتا ہے۔ اس لئے تو مسواک کو مشروع قرار دیا گیا ہے اور بو میں نہ کوئی تعظیم ہے اور نہ عزت و اکرام۔''

بحث کے اختتام پر وہ رقم طراز ہیں ''فالحق أنه يستحب السواك للصائم أول النهار وآخره وهو مذهب جمهور الأئمة'' ''حق بات یہ ہے کہ روزے دار کیلئے دن کے پہلے اور آخری حصہ میں مسواک کرنا مستحب ہے اور یہی جمہور ائمہ کا مسلک ہے۔''

روزہ دار کے منہ کی بو کے بارے میں وارد حدیث میں لفظ خلوف سے وہ طبعی و معنوی بو مراد ہے جو کھانے پینے میں وقفہ پڑ جانے کی وجہ سے لاحق ہوتی ہے، اس کا تعلق عدمِ مسواک سے نہیں۔ ویسے بھی بعض روایات میں اس بو کے بارے میں قیامت کے دن کی تصریح ہے:

أطيب عندالله يوم القيامة (نیل الاوطار:۴/۲۲۱)

www.KitaboSunnat.com

مصنوعی دانتوں کے متعلق چند مسائل

❁ **سوال:** آرائش وزیبائش اور خوبصورتی بڑھانے کے لئے دانتوں کو تراشنا اور باریک یا برابر کرنا شرعاً کیسا ہے؟

جواب: خوبصورتی کے لئے دانتوں کو تراشنا، باریک یا برابر کرنا منع ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھیں: صحیح بخاری باب المتفلجات للحسن، فتح الباری (۳۷۲/۱۰) اور سنن ابی داود، باب في صلة الشعر (عون المعبود:۱۲۷/۴)

❁ **سوال:** اگر اصل دانت ضائع ہوجائیں تو کیا سونے، چاندی یا دیگر دھاتوں کے مصنوعی دانت بنوا کر لگائے جاسکتے ہیں؟ کیا اس سے وضو اور غسل میں کوئی خلل پڑے گا۔

جواب: اصلی دانت ضائع ہونے کی صورت میں مصنوعی دانت لگائے جاسکتے ہیں۔ سنن ابو داود میں باب ماجاء في ربط الأسنان بالذهب۔ سونے چاندی کے قائم مقام اگر کوئی دوسری شے ہوسکتی ہے تو پھر ان سے احتراز کرنا چاہیے۔ (عون المبود:۱۴۸/۴)

دانت اگر پختہ لگائے گئے ہیں تو اس حالت میں وضو یا غسل درست ہوگا اور اگر بآسانی اُتر سکتے ہیں تو انہیں اُتار کر وضو یا غسل کرنا چاہیے۔

❁ **سوال:** کیا مرد حضرات سونے کے مصنوعی دانت لگوا سکتے ہیں اور اس فن کو ذریعہ روزگار بنانا شرعاً کیسا ہے؟

جواب: بوقتِ ضرورت مرد سونے کا دانت لگوا سکتا ہے۔ بہر حال مسلم معاشرے میں سونے کے دانت لگانے کو ایک صنعت کا درجہ نہیں دینا چاہیے۔

❁ **سوال:** اگر کسی شخص نے سونے یا کسی اور قیمتی دھات کے مصنوعی دانت لگوائے ہوں اور وہ فوت ہوجائے تو کیا ان دانتوں کو نکال کر استعمال میں لایا جاسکتا ہے؟ اگر دفناتے وقت دانت نکالنا مشکل ہو تو کیا اسے مصنوعی دانتوں سمیت دفنایا جاسکتا ہے؟

جواب: وفات کی صورت میں ایسے دانت کو نکال کر استعمال میں لایا جاسکتا ہے۔ حدیث میں مال ضائع کرنے سے منع کیا گیا ہے اور اگر وہ کسی وجہ سے اُتر نہ سکتے ہوں تو اسی حالت میں میت کو دفن کردیا جائے: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾

www.KitaboSunnat.com

تحقیق و تنقید

پروفیسر حافظ محمد دین قاسمی

'غلام احمد پرویز: اپنے الفاظ کے آئینے میں' اور طلوعِ اسلام

سالِ رواں کے پہلے ماہ کے پہلے دن، میری ایک تصنیف ...... جناب غلام احمد پرویز، اپنے الفاظ کے آئینے میں...... منظر عام پر آئی۔ ۳۱/ مارچ ۲۰۰۶ء کو ہفت روزہ 'فرائیڈے اسپیشل' (کراچی) نے، اور ۱۶ تا ۳۱/ مارچ کے پندرہ روزہ 'انکشاف' (اسلام آباد) نے اس کتاب پر تبصرہ کیا۔ اِن دونوں کے علاوہ کسی اخبار اور رسالہ میں اس پر تبصرہ تا حال پیش نہیں ہوا۔ حتیٰ کہ ماہنامہ 'محدث' میں بھی جس میں میری نگارشات مسلسل چھپ رہی ہیں، اس کے بارے میں کچھ نہیں لکھا گیا۔ اس کے باوجود انگریزی محاورہ کے مطابق 'گرم کیک' کی طرح یہ کتاب خریداروں کے ہاتھوں میں پہنچتی رہی اور اب اس کی اشاعتِ ثانیہ کا مرحلہ درپیش ہے۔ کتاب کی اس قدر مقبولیت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے اس کے حضور سربسجود ہوں۔

میری یہ خواہش تھی کہ کوئی اور ادارہ کتاب پر تبصرہ کرے یا نہ کرے، لیکن طلوعِ اسلام کی طرف سے تبصرہ ضرور آنا چاہیے۔ الحمدللہ کہ میری یہ خواہش برآئی اور پانچ ماہ کے بعد جون ۲۰۰۶ء کے شمارہ میں 'تبصرۂ کتب' کے کالم میں نہیں، بلکہ 'شمع اخیر شب' کے زیرعنوان مقالہ نگار نے تنقیدی تبصرہ رقم فرمایا ہے۔

اس کتاب کے حرفِ اوّل میں، میں نے یہ لکھا تھا کہ اس کی اشاعت پر تین مختلف طبقات کی طرف سے تین جداگانہ ردّعمل ظاہر ہوں گے۔ اور میری عین توقع کے مطابق، ٹھیک ایسا ہی ہوا۔ تینوں طبقوں کے متعلق میں نے یہ لکھا تھا:

> "① وہ طبقہ جو قرآن و سنت کی حجیت کا قائل ہے اور یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ اطاعتِ خداوندی، اطاعتِ رسول ؐ کے بغیر ممکن نہیں ہے، وہ اسے اپنے دل کی آواز سمجھے گا اور ذہن و دماغ اور قلب و روح کی پوری آمادگی کے ساتھ مصنف کی تائید کرے گا اور اس کے ہم قدم و ہم رکاب رہیگا۔

www.KitaboSunnat.com

② دوسرا وہ گروہ جو طلوعِ اسلام کے لٹریچر کا سطحی اور یک طرفہ مطالعہ کرکے، اس کے بارے میں اچھی رائے قائم کرکے مطمئن ہوچکا ہے، وہ اس کتاب کو پڑھ کر تذبذب کے دوراہے پر کھڑا سوچ رہا ہوگا کہ کون سا راستہ صحیح ہے اور کون سا غلط؟ ایک طرف اگر وہ پرویز صاحب کی شگفتہ تحریر سے متاثر ہوکر 'مفکرِ قرآن' کے خلوصِ قلب کا قائل ہوچکا ہے تو دوسری طرف اس کتاب کا حقائق پر مشتمل مواد اُس کی اِس عقیدت پر سخت چوٹ لگائے گا جو پرویز صاحب کے لئے اس کے سویدائے قلب (دل کا سیاہ نشان) میں پیدا ہوچکی ہے۔ تذبذب کے اس دوراہے پر کسی بھی راستے پر پیش قدمی کرنے سے پہلے اگر اس نے تحقیق سے کام لیا اور جن کتب و رسائل کے حوالے اس کتاب میں دیئے گئے ہیں، ان تک رسائی پاکر حقیقتِ حال کو جاننے کی کوشش کی، تو وہ مصنف کی تحقیق کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا اور بالآخر کرگسوں کی صحبت میں پلنے والا یہ فریب خوردہ شاہین اپنے اصل مقام کی طرف پلٹ کر راہ ورسم شہبازی اختیار کرنے پر مجبور ہوگا۔

③ تیسرا ٹولہ ان لوگوں پر مشتمل ہے جو سالہا سال سے طلوعِ اسلام کے لٹریچر کا یک رُخا مطالعہ کرکے ہر اس جماعت اور ہر اُس فرد کے خلاف اپنے سینوں میں کینہ و کدورت پیدا کرچکے ہیں جس کے خلاف ایسا کرنا طلوعِ اسلام کا نصب العین بن چکا ہے۔ یہ لوگ، اپنے مسلک کی حمایت اور اپنے فکری مخالفین کی مخالفت میں، اپنے قلوب ونفوس میں شدید حمیتِ جاہلیہ، سنگین تعصب اور سخت ضد پیدا کرچکے ہیں۔ ایسے لوگوں پر اس کتاب کے مطالعہ کا وہی اثر ہوگا جو نزولِ قرآن نے مشرکینِ عرب کی ذہنیتوں پر کیا تھا: ﴿وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا﴾ اس کتاب کے مطالعہ سے ان کی چیخیں نکل جائیں گی، وہ چلائیں گے، شور مچائیں گے، سب وشتم اور دشنام طرازی پر اُتر آئیں گے اور یہ کہہ کر آسمان سر پر اٹھا لیں گے:

دیکھنا، لینا، پکڑنا، دوڑنا، جانے نہ پائے
لے چلا، میری شکیبائی◉ وہ کافر لے چلا ①

اس آخری ٹولے نے بھی پہلے دو طبقوں کی طرح، ٹھیک وہی ردّعمل ظاہر کیا ہے، جس کی مجھے توقع تھی، چیخنے چلانے، شور مچانے اور سب وشتم پر اُتر آنے کا یہ ردّعمل، طلوع اسلام

① کتاب (زیر بحث)، ص ۳۳ تا ۳۵ ◉ تحمل وبردباری

☆ چونکہ کتاب 'جناب غلام احمد پرویز، اپنے الفاظ کے آئینے میں' بہت لمبا نام ہے، اس لئے اس کی جگہ حوالوں میں صرف 'کتاب (زیر بحث)' اور مکرر حوالہ کی صورت میں ایضاً صفحہ...... لکھا گیا ہے۔

www.KitaboSunnat.com

جون ۲۰۰۶ء میں ظاہر ہوا ہے۔ اس گروہ کے متعلق میں نے یہ بھی لکھا تھا کہ

''مجھے یہ بھی پیشگی اندازہ ہے کہ اس کتاب کے مواد کے بارہ میں وابستگانِ طلوعِ اسلام کی طرف سے یہ کہا جائے گا (جیسا کہ یہ اکثر کہا کرتے تھے) کہ پرویز صاحب (یا طلوعِ اسلام) کی عبارت کو توڑ مروڑ کر لکھا گیا ہے۔''②

میرا یہ انداز بھی سو فیصد درست ثابت ہوا ، اور مقالہ نگار ٹھیک وہی کچھ لکھتے ہیں جس کی مجھے توقع تھی، وہ فرماتے ہیں:

''پرویز صاحب یا طلوعِ اسلام کے اقتباسات توڑ مروڑ کر، اور سیاق وسباق سے علیحدہ کر کے پیش کئے جاتے ہیں۔''③

حالانکہ جہاں میں نے یہ پیشگی اندازہ رقم کیا تھا، وہیں اس کے متصل ہی میں نے یہ بھی عرض کر دیا تھا کہ

''جو شخص یہ بات کہے، اس سے کہئے کہ جو اقتباسات اور حوالے اس کتاب میں شائع کئے گئے ہیں، وہ ان سے متعلقہ کتب ومجلّات کو لے آئے اور اسکے بعد آپ کو بتائے کہ کہاں الفاظ کو توڑا مروڑا گیا ہے اور کہاں عبارات کو غلط پیش کیا گیا ہے۔ آپ اسکا شدت سے مطالبہ کیجئے آپ دیکھیں گے کہ وہ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں کوئی دلیل بھی پیش نہیں کر سکیں گے۔''④

اسی گروہ کے متعلق میں نے قیاساً یہ بھی لکھا تھا کہ

''اس ٹولے کے افراد، کتاب میں موجود واقعات و دلائل کو نظر انداز کرتے ہوئے اُلٹا یہ شور مچائیں گے کہ یہ پرویز صاحب کی کردار کشی ہے۔''⑤

مقالہ نگار کا پورا مضمون ٹھیک اسی چیز کی تائید کر رہا ہے جو اس گروہ کے متعلق میں نے قیاس کیا تھا۔

مندرجاتِ کتاب اور مقاماتِ تنقید

اس ابتدائی تمہید کے بعد اب میں یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ میری کتاب کے گیارہ ابواب میں سے کس باب کے کن مقامات پر، مقالہ نگار نے کیا اعتراضات کئے ہیں:

---

② ایضاً، ص ۳۶
③ طلوع اسلام، جون ۲۰۰۶ء، ص ۷
④ کتاب (زیر بحث)، ص ۳۶
⑤ ایضاً، ص ۳۵

www.KitaboSunnat.com

باب نمبر۱: پہلے باب کا عنوان ہے۔'دل اور زبان میں عدمِ موافقت' اس باب میں، میں نے ٹھوس دلائل کے ساتھ یہ واضح کیا ہے کہ ۱۹۴۷ء سے قبل، اگرچہ پرویز صاحب قرآنِ مجید کے ساتھ حدیثِ رسولؐ اور کتاب اللہ کے ساتھ، سنتِ نبویؐ کا نام لیتے رہے ہیں، مگر اس دور میں بھی، ان کی زبان وقلم، ان کے دل کی رفیق نہ تھی۔ وہ جو کچھ اپنے لسانِ قلم سے پیش کررہے تھے، وہ اُن کا قلبی عقیدہ نہ تھا اور جو کچھ فی الواقعہ عقیدۃً ان کے قلب میں تھا، وہ اسے مصلحتاً مکتوم ومخفی رکھنے پر مجبور تھے۔ وہ حدیثِ رسول اور سنت نبویؐ کو حجت وسند نہ مانتے ہوئے بھی جس مجبوری کے تحت ان کا نام لے رہے تھے، اسے بھی اس باب میں واضح کردیا گیا ہے۔ اور یوں 'مفکرِ قرآن' صاحب، قلب وزبان کی اس مغایرت کے باعث، اُس زمانے میں بھی، جادۂ کذب وزُور پر گامزن تھے۔

باب نمبر۲: دوسرے باب میں (جس کا عنوان 'خارزارِ تضاداتِ پرویز' ہے) میں نے تفصیل سے یہ واضح کیا ہے کہ ان کی نگارشات، تضادات وتناقضات سے اَٹی پڑی ہیں۔

(الف) اس وسیع خارزارِ تضادات میں سے دس مثالیں اس بات کو واضح کردیتی ہیں کہ تقسیم برصغیر سے قبل اور بعد میں ان کے موقف میں صریح تضادات اور واضح تناقضات پائے جاتے ہیں۔ ان دس مثالوں میں سے کسی ایک مثال پر بھی، مقالہ نگار کو اعتراض یا تردید کی جرأت نہیں ہوسکی۔ الحمدللہ علی ذٰلك

(ج) اس کے بعد پرویز صاحب کے اُن پانچ تضادات کو پیش کیا گیا ہے جو ان کی ۱۹۴۷ء کے بعد کی نگارشات میں موجود ہیں، ان میں سے تین تضادات پراعتراض کی کوئی گنجائش مقالہ نگار کو نہ مل سکی۔ البتہ دو تضادات پر اُنہوں نے اعتراض فرمایا ہے......

دو اعتراضات

آخری پانچ امثلۂ تضادات میں سے تیسری اور چوتھی مثال پر مقالہ نگار کے اعتراض کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

زیراعتراض پہلا تضاد یہ ہے کہ طلوعِ اسلام کے ایک مقام پر حضرت معاویہؓ کو کاتبِ وحی قرار دیا گیا ہے اور دوسرے مقام پر اُن کے کاتبِ وحی ہونے کی نفی کی گئی ہے۔

www.KitaboSunnat.com

زیر اعتراض دوسرا تضاد حضرت سلمان فارسیؓ کی ذات کے بارے میں ہے۔ ایک مقام پر ان کی تاریخی شخصیت کی نفی کی گئی ہے اور اُنہیں ایک فرضی اور من گھڑت شخصیت قرار دیا گیا ہے، جبکہ دوسرے مقام پر ان کی شخصیت ہی کا نہیں، بلکہ صحابیت کا بھی اثبات کیا گیا ہے۔

میں نے ان دونوں مثالوں کے بارے میں اپنی کتاب (زیر بحث) میں یہ وضاحت بھی کردی تھی کہ

''تیسری اور چوتھی مثال میں، جو تحریری ثبوت پیش کئے گئے ہیں، وہ اگرچہ پرویز صاحب کے الفاظ میں نہیں ہیں، لیکن ان کے متعلق، طلوعِ اسلام (یا خود پرویز صاحب) نے کسی اختلافی نوٹ کو ظاہر نہیں کیا۔ اس لئے اُنہیں پرویز صاحب ہی کی طرف منسوب کیا گیا ہے کیونکہ اُنہیں کا یہ اصول ہے کہ کسی چیز کو بلا اختلافی نوٹ کے شائع کرنا دلیل موافقت قرار پاتا ہے۔[٦]

تضاداتِ پرویز کی ان دونوں مثالوں پر، مقالہ نگار نے دو اعتراضات پیش فرمائے ہیں:

پہلا اعتراض

طلوعِ اسلام کے جس اقتباس میں حضرت سلمان فارسیؓ کو تاریخی اعتبار سے ایک وضعی شخصیت قرار دیا گیا ہے، اس کا حوالہ 'طلوعِ اسلام' نومبر ۱۹۴۹ء صفحہ ۴۹ دیا گیا ہے، جبکہ اس مقام پر ایسا کوئی اقتباس موجود نہیں ہے۔ چنانچہ مقالہ نگار نے اپنے تنقیدی مضمون کے آخر میں محولہ بالا صفحہ کا عکس بھی پیش کیا ہے۔

یہ اعتراض بالکل بجا ہے۔ کیونکہ کتاب میں، احتیاط کے باوجود حوالہ غلط درج ہوگیا ہے۔ جس کا مجھے افسوس ہے۔ بہرحال یہ اقتباس فی الواقعہ طلوعِ اسلام ۱۹۵۴ء کے شمارہ میں صفحہ ۴۹ پر موجود ہے جس کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ میں مقالہ نگار کا شکرگزار ہوں کہ انہوں نے اس لغزش کی نشاندہی کی۔

دوسرا اعتراض

دوسرا زیر اعتراض اقتباس وہ ہے جس میں حضرت معاویہؓ کے کاتبِ وحی ہونے کی نفی کی گئی ہے۔ معترض کا اعتراض یہ ہے کہ مصنف کتاب نے جو یہ کہا ہے کہ...... ''طلوعِ اسلام (یا

---

⑥ کتاب (زیر بحث) ص ۸۵

www.KitaboSunnat.com

پرویز صاحب) نے کسی اختلافی رائے کو ظاہر نہیں کیا۔'' تو یہ بات غلط ہے کیونکہ مضمون کے آخر میں 'استدراک' کے زیر عنوان، بایں الفاظ یہ اختلافی نوٹ موجود ہے:

''اس مقالہ میں جس قدر حصہ تاریخ سے متعلق ہے، ظاہر ہے کہ اسے یقینی نہیں کہا جاسکتا۔ اس لئے اسے احتیاط سے قبول کرنا چاہئے۔ یہ احتیاط، اس وقت اور بھی ضروری ہوجاتی ہے جب معاملہ صحابہ کبار کے متعلق ہو۔ اس سلسلہ میں ہم طلوعِ اسلام میں بڑی تفصیل سے لکھ چکے ہیں۔ اور وہ مباحث اب 'قرآنی فیصلے' (جلد دوم) میں درج ہوگئے ہیں، جنہیں اس موضوع کی تفصیلات سے دلچسپی ہو، وہ اسے وہاں دیکھ سکتے ہیں۔''⑦

اس اقتباس میں، ہر شخص خود دیکھ سکتا ہے کہ حضرت معاویہؓ کے کاتب وحی ہونے یا نہ ہونے کے متعلق ایک حرف بھی موجود نہیں ہے۔ صرف یہ 'وعظ' موجود ہے کہ تاریخ سے متعلقہ حصہ غیر یقینی ہے، اس لئے اسے احتیاط سے قبول کرنا چاہئے۔ یہ احتیاط اُس وقت اور بھی ضروری ہوجاتی ہے جب معاملہ کبار صحابہ کے متعلق ہو۔ لیکن مقالہ نگار صاحب محض میری مخالفت میں، اسے حضرت معاویہؓ کے کاتبِ وحی ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں 'اختلافی رائے' قرار دیتے ہیں اور پھر اس فاسد پر ایک اور فاسد کا یہ کہہ کر اضافہ فرماتے ہیں کہ

''ملاحظہ فرمایا آپ نے، پروفیسر موصوف کا دعویٰ تھا کہ طلوعِ اسلام یا پرویز صاحب نے کوئی اختلافی نوٹ نہیں لکھا، اس لئے اسے پرویز صاحب سے منسوب کیا گیا ہے۔ آپ ذرا اس دریافت کو ملاحظہ فرمائیے۔ مستشرقین کی کتابیں بھی اسلام پر تنقید سے مملو ہوتی ہیں، مگر آج تک کسی مستشرق نے بھی اس قسم کی علمی خیانت کا مظاہرہ نہیں کیا جس کا اظہار پروفیسر موصوف نے کیا ہے۔''⑧

استدراک کے زیر عنوان، طلوع اسلام نومبر ۱۹۶۴ء صفحہ ۵۷ پر موجود عبارت کو (جو قطعی طور پر حضرت معاویہؓ کے کاتبِ وحی ہونے یا نہ ہونے سے غیر متعلق ہے) محض سینہ زوری سے 'اختلافی رائے' قرار دے کر مقالہ نگار کا 'اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے' کا مصداق بننا، واقعی قابل داد ہے۔ مستشرقین نے ایسی 'علمی خیانت' کا مظاہرہ کیا ہے یا نہیں لیکن مقالہ نگار نے اصل مسئلہ

⑦ طلوع اسلام، جون ۲۰۰۶ء، + نومبر ۱۹۶۴ء، ص ۵۷

⑧ طلوع اسلام، جون ۲۰۰۶ء، ص ۱۰

www.KitaboSunnat.com

سے قطعی غیر متعلقہ عبارت کو 'اختلافی رائے' ظاہر کر کے جس علمی خیانت کا مظاہرہ فرمایا ہے، وہ تو ہم سب کے سامنے ہی ہے۔ پھر عدل و انصاف اور امانت و دیانت کا یہ معیار بھی ہمارے سامنے ہی ہے کہ مقالہ نگار صاحب ایک طرف تو مصنفِ کتاب پر 'علمی خیانت' کا من گھڑت اور جھوٹا الزام عائد کرتے ہیں اور دوسری طرف اُس 'مفکر قرآن' کی حمایت میں کاغذ سیاہ کرنے کے ساتھ ساتھ، اپنا نامہ اعمال بھی سیاہ کرنے پر تُلے ہوئے ہیں، جس کی واضح علمی خیانتوں، دروغ گوئیوں، فریب کاریوں اور بہتان تراشیوں کو مصنفِ کتاب نے بے نقاب کر ڈالا ہے۔

بہرحال اب ظاہر ہے کہ جب حضرت معاویہؓ کے کاتبِ وحی ہونے یا نہ ہونے کے متعلق کوئی ایسا اختلافی نوٹ سرے سے موجود ہی نہیں ہے تو اسے ان دلائل کی بنا پر جو میری کتاب (زیر بحث) کے صفحہ ۹۵ اور ۹۶ پر موجود ہیں، اُنہیں پرویز صاحب کی طرف منسوب کرنا، کوئی بے جا بات نہیں ہے۔

باب نمبر۳: تیسرے باب میں 'مفکرِ قرآن' صاحب کے چند صریح 'جھوٹ' پیش کئے گئے ہیں۔ ان میں سب سے پہلا جھوٹ وہ ہے جسے برسوں سے پھیلایا جارہا ہے اور جس میں طلوعِ اسلام کے قارئین کو یہ جھوٹا یقین دلایا جاتا ہے کہ ''پرویز صاحب برصغیر کے پہلے 'قرآنی مفکر' تھے جن کے دلائل کے نتیجے میں (۱۹۳۵ء کے مقدمہ بہاولپور میں) قادیانیوں کو سرکاری سطح پر کافر قرار دیا گیا تھا''...... میں نے ٹھوس دلائل کے ساتھ اپنی کتاب کے صفحہ ۱۱ سے ۱۲۶ تک، اس دروغ کی قلعی کھولی ہے اور مقالہ نگار کتاب میں موجود دلائل میں سے کسی ایک کی بھی تردید نہیں کر پائے۔ پھر اس جھوٹ کے اندر بھی، کئی ذیلی جھوٹ داخل ہیں۔ اس کے بعد 'مفکر قرآن' کا ایک اور سہ گونہ جھوٹ، مع ثبوت و دلائل پیش کیا گیا ہے۔ جس کے پیکرِ زور سے ایک چوتھا جھوٹ بھی نمودار ہوا۔ اس باب میں مذکور، کسی واقعہ اور کسی دلیل کی تغلیط کی جرأت، مقالہ نگار کو نہ ہوسکی۔ الحمد للہ علی ذلك

باب نمبر۴: چوتھے باب کا عنوان ہے...... 'مغالطہ آرائیاں، خیانت کاریاں، فریب انگیزیاں' اس باب میں 'مفکرِ قرآن' صاحب کے دجل وفریب، خیانت و بددیانتی کی سات

www.KitaboSunnat.com

مثالیں نہایت قوی دلائل و براہین کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کی بھی تردید کی جرأت، کارپردازانِ طلوع اسلام میں سے کسی کو نہ ہوسکی اور مقالہ نگار بھی کوئی اعتراض نہ کرپائے۔ الحمدلله علی ذلك

باب نمبر ۵: پانچویں باب کا عنوان ہے...... 'جھوٹے الزامات، افتراء ات اور بہتانات'

اس باب میں، علماے کرام، علماے احناف، علماے اہل حدیث، سید مودودیؒ، علامہ اقبالؒ، امام شافعیؒ، قرآنِ مجید، حضرت محمد ﷺ پر اُن تُہم و بہتانات کو مفصل اور مدلل انداز میں پیش کیا گیا ہے، جس کا ارتکاب 'مفکر قرآن' کرتے رہے ہیں۔ اور حدیثِ رسولؐ کو جس طرح تضحیک واستخفاف کا نشانہ بنایا جاتا ہے، ایک مثال اس کی بھی پیش کی گئی ہے اور آخر میں مولانا مودودیؒ کے بارے میں پرویز صاحب کے تین دعاوی کا مختصر مگر مدلل جائزہ بھی لیا گیا ہے۔

اس پورے باب میں 'مفکرِ قرآن' کے جن بہتانات وافتراء ات کو جن دلائل و براہین کے ساتھ پیش کیا گیا ہے، ان میں سے کسی ایک کی بھی تردید کی ہمت، مقالہ نگار کو نہیں ہوسکی۔ الحمد لله علی ذلك

باب نمبر ۶: میری کتاب کے چھٹے باب کا عنوان ہے...... 'ناپ تول کے دُہرے معیار'۔

اس باب میں، میں نے 'مفکر قرآن' صاحب کے دُہرے معیار کی سات مثالیں پیش کی ہیں، جن میں سے دو مثالیں تو وہ ہیں جو چوتھے باب میں مذکور ہیں۔ ان ساتوں مثالوں کو دلائل سے واضح کیا ہے۔ مزید برآں اس باب میں اس امر پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے کہ 'مفکر قرآن' صاحب نے (مغربی اقدار و اطوارِ معاشرت اور نظامِ اشتراکیت کی باہمی پیوندکاری کے نتیجہ میں) جو 'انقلابی اسلام' قرآنِ مجید سے نچوڑا ہے، وہ چونکہ محمد رسول الله والذین معه کے حقیقی اسلام کے مخالف اور 'مدمقابل اسلام' کی حیثیت سے سامراجی مقاصد کے لئے مفید وکارآمد ہے، اس لئے وہ کس طرح اپنی پشت پر مغربی حمایت و معاونت کو موجود پاتا ہے، اور مغرب کے لادین سکالر، سیکولر دانشور، یہود و نصاریٰ کے احبار و رہبان، 'مفکر قرآن' کی 'قرآنی خدمات' پر اُنہیں خراجِ تحسین پیش فرماتے ہیں، اور طلوعِ اسلام اور اس کے وابستگان، عالم کفر میں پرویز صاحب کی اس پذیرائی پر خوشی سے نہال ہیں کہ چلو عالم اسلام میں نہیں، تو

عالم کفر میں تو 'مفکر قرآن' صاحب کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

مقالہ نگار اس باب کی کسی مثال اور کسی دلیل کی بھی تردید نہیں کر پائے۔ الحمد لله

باب نمبر ۷: ساتویں باب میں، جو 'تائیدِ باطل کا رویۂ پرویز' کے زیرعنوان ہے، دو ایسی مثالیں پیش کی گئی ہیں جن میں 'مفکر قرآن' صاحب مولانا مودودیؒ کی مخالفت اور عداوت وعناد کے جوش میں ہوش سے عاری ہوکر، دو باطل اُمور کی تائید پر تُل جاتے ہیں۔ مقالہ نگار نہ تو ان دونوں مثالوں، اور نہ ہی ان کے دلائل کی تردید کرسکے ہیں۔ الحمد لله علی ذلك

باب نمبر ۸: آٹھویں باب کا عنوان ہے۔ 'تخیلاتی مقصود اور حکمتِ عملی' اس باب میں ایک ایسی اُصولی حقیقت پیش کی گئی ہے، جس پر سلف و خلف اور ہر عصر ومصر کے علماء وفقہا متفق ہیں۔ ہماری زبان میں، اسے سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے بایں الفاظ بیان کیا ہے:

''ایک اُصول کو قائم کرنے پر ایسا اصرار، جس سے اس اُصول کی نسبت، بہت زیادہ اہم دینی مقاصد کو نقصان پہنچ جائے، حکمتِ عملی ہی نہیں، حکمتِ دین کے بھی خلاف ہے۔''[۹]

اسی اُصولی حقیقت کے تحت کئی ذیلی حقیقتیں، مثلاً اختیار أهون البليتين وغیرہ سمٹ آتی ہے۔ پرویز صاحب نے سلف و خلف کے جملہ علماء وفقہا کو نظر انداز کرکے، صرف مولانا مودودیؒ ہی کو اس 'جرم' کا مرتکب قرار دے کر، اُنہیں جس قدر نشانہ بنایا ہے، اس قدر کسی اور مسئلہ پر نشانہ نہیں بنایا۔ یہاں تک کہ اس مسئلہ کی آڑ میں مولانا مودودی کے خلاف ایک ایسی آتش جنگ بھڑکائی گئی، جس کے الاؤ کو زندہ وتوانا رکھنے کے لئے وابستگانِ طلوع اسلام اب تک ایندھن ڈالتے چلے آرہے ہیں۔ میں نے منکرین حدیث کے سرخیل کے خلاف یہ 'قلمی جنگ' اپنی سرزمین پر قرآن وسنت کے ہتھیاروں سے نہیں لڑی بلکہ 'مفکر قرآن' ہی کی گراؤنڈ پر ان ہی کے ہتھیاروں سے لڑی ہے۔ کیونکہ میرا یہ ذاتی تجربہ ہے کہ یہ لوگ قرآنی دلائل کو اپنی تاویلاتِ فاسدہ کا نشانہ بنا دیتے ہیں، اور اس طائفہ کے اندھے مقلدین، ان 'قرآنی تحریفات' کو بلند پایہ 'علمی نکات' قرار دے دیتے ہیں۔ صاحبِ تردید اپنی جگہ مطمئن ہوجاتے ہیں کہ میں نے معترضین کے 'قرآنی دلائل' کا جواب دے دیا ہے اور دوسری طرف کی قومِ

---

⑨ تفہیمات، ج۳، ص۷۶

www.KitaboSunnat.com

عَمُوْن ان 'قرآنی جواہر پاروں' پر مطمئن رہتی ہے اور نتیجتًا بات کسی قطعی فیصلہ پر پہنچنے کی بجائے بھنور میں پھنسی ہوئی کاغذی ناؤ کی طرف وہیں کی وہیں رہتی ہے۔ رہے احادیث وسنت نبیؐ کے دلائل تو وہ ان لوگوں کے نزدیک سرے سے حجت ہیں ہی نہیں۔ باقی رہ گئے فقہاء و مجتہدین کے افکار ونظریات، تو ان کو یہ لوگ بھلا کیا وزن دیں گے، جو خود رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو ردّ کردینے کے عادی ہوں۔ اس لئے ان لوگوں کے سامنے نہ قرآنی دلائل ہی کارگر ہیں اور نہ ہی حدیث وسنت کی کوئی دلیل پیش کرنا سودمند ہے، اور نہ فقہاء وعلما کے ارشادات، ان لوگوں کی گردنیں، اگر جھکتی ہیں تو صرف 'مفکرِ قرآن' کے مقولات و مقالات اور طلوعِ اسلام کی عبارات و اقتباسات ہی کے سامنے۔ ان لوگوں کے نزدیک رسولِ خداؐ کی اتباع شخصیت پرستی ہے، لیکن قرآن کے نام پر پرویز صاحب کی نت نئی بدلتی ہوئی آراء واھوا کی اتباع 'خدا پرستی' ہے۔ اس لئے میں نے اس باب میں طلوع اسلام اور پرویز صاحب ہی کے لٹریچر سے وہ دلائل پیش کئے ہیں، جو خود 'مفکرِ قرآن' کی تردید اور جملہ علماء سلف و خلف (بشمول مولانا مودودیؒ) کی تائید پر شاہد عدل ہیں۔

مجھے خوشی ہے کہ اس باب میں مذکور دلائل و براہین کا بھی مقالہ نگار سامنا نہیں کر پائے اور تردید تو رہی ایک طرف، وہ اعتراض تک کی گنجائش نہ پا سکے۔

باب نمبر۹: باب نمبر۹ کا عنوان ہے...... 'مفکر قرآن' کے اکاذیب واباطیل'...... اس باب میں بھی، حکمتِ عملی کے مباحث کا وہ حصہ زیر بحث آیا ہے جو بعض ناگزیر صورتوں میں جوازِ کذب' کے مباحث پر مشتمل ہے، مت بھولئے کہ بعض ایسی ناگزیر صورتوں میں جواس کذب پر جملہ علماء اوّلین و آخرین متفق ہیں، لیکن 'مفکر قرآن' صاحب، ماضی و حال کے جملہ علماء و فقہاء کو نظر انداز کرکے صرف اور صرف مولانا مودودیؒ ہی کو نشانہ بناتے ہوئے یہ تاثر اُچھالا کرتے تھے کہ صرف مودودیؒ ہی کے نزدیک:

> ''اقامتِ دین جیسے اہم مقاصد کے لئے، اُصولوں میں لچک اور استثنا تو ایک طرف، ان کے لئے جھوٹ بولنا بھی نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہوجاتا ہے۔''[10]

---

[10] طلوع اسلام، جولائی ۱۹۵۹ء، ص ۳۲

www.KitaboSunnat.com

غور فرمایئے کہ 'مفکر قرآن' صاحب کی وہ عقل عیار، جسے وہ اپنی 'قرآنی بصیرت' کا نام دیا کرتے تھے، مولانا مودودیؒ کے ایسے اقتباسات کو پیش کرتے ہوئے 'بعض ناگزیر حالات' کی شرط حذف کردیا کرتی تھی۔

بہرحال اس کے مقابلہ میں، پرویز صاحب کا موقف یہ ہے کہ کسی بھی شخص کے لئے کسی بھی حال میں جھوٹ بولنا جائز نہیں ہے۔ اسے مرجانا قبول کرلینا چاہئے لیکن جھوٹ ہرگز نہیں بولنا چاہئے، کیونکہ قرآن کسی حالت میں بھی جھوٹ کی اجازت نہیں دیتا۔ اس موقف کے حق میں، پرویز صاحب بڑے دھڑلے سے ایک قاعدہ کلیہ بایں الفاظ پیش کیا کرتے تھے:

''اگر سند قرآن رہے اور اس اُصول کو تسلیم کرالیا جائے کہ قرنِ اوّل کی تاریخ کا جو بیان قرآن کے خلاف ہے، وہ غلط ہے تو کسی کو اپنی فریب کاریوں اور کذب تراشیوں کے لئے دینی سند نہیں مل سکتی۔''[11]

اس کے بعد میں نے 'مفکر قرآن' جناب غلام احمد پرویز صاحب کے چند صریح جھوٹ، واضح اکاذیب اور نمایاں اباطیل طلوعِ اسلام ہی کے لٹریچر سے پیش کرکے یہ لکھا ہے کہ

''ظاہر ہے کہ 'مفکر قرآن' جناب پرویز صاحب سے بڑھ کر قرآن کو سند ماننے والا کون ہوسکتا ہے، اور ان سے بڑھ کر قرنِ اوّل کی تاریخ کو جو خلافِ قرآن ہو، غلط قرار دینے والا کون ہوسکتا ہے؟ لیکن پھر حیرت بالائے حیرت اور تعجب برتعجب ہے اس امر پر کہ خود ان کو اپنی فریب سازیوں، بہتان تراشیوں، خیانت کاریوں اور مغالطہ آرائیوں کے لئے (جن کا تفصیلی ذکر ابوابِ گزشتہ میں کیا جاچکا ہے) دینی سند کہاں سے مل گئی؟ کیونکہ کذب و زور اور دجل وفریب کی شاید ہی کوئی ایسی صورت ہو، جسے اُنہوں نے اختیار نہ کیا ہو۔''[12]

بہرحال اس باب میں مذکور کسی چیز کی تردید وتغلیط کی ہمت طلوعِ اسلام کے مقالہ نگار کو نہیں ہوسکی۔ الحمد للہ علی ذلك

باب نمبر۱۰: دسویں باب کا عنوان ہے...... 'داعیٔ انقلاب کا ذاتی کردار' یہ پورا باب مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ کی کتاب 'آئینۂ پرویزیت' سے ماخوذ ہے۔ اس باب میں طلوعِ اسلام ہی کی اُمت کے ایک فرد جناب محمد علی بلوچ صاحب نے شهد شاهد من أهلها کا مصداق بنتے

---

(۱۱) طلوع اسلام، دسمبر ۱۹۸۱ء، ص ۴۱ (۱۲) کتاب (زیر بحث)، ص ۳۰۰

www.KitaboSunnat.com

ہوئے 'مفکر قرآن' صاحب کی مالی چیرہ دستیوں کو بے نقاب کیا ہے اور پرویز صاحب نے جن پرویزی حیلوں کے ذریعہ میزان پبلی کیشنز کو مالی گڑ بڑ اور خورد بُرد کے ذریعہ نقصان پہنچا کر، اس کی جان نکالی، ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ 'مفکرِ قرآن' نے اپنی ذات سے ان الزاماتِ خیانت کو دفع کرنے کے لئے جو تکنیک اختیار کی ہے، اسے محمد علی بلوچ نے بایں الفاظ بیان کیا ہے :

''صحافتی بازیگری کی ایک ٹیکنیک یہ بھی ہے کہ جب آپ کے کسی کام پر اعتراض کیا جائے تو آپ کسی ایسی مشہور ہستی کا نام لے دیجئے جس کا تقدس و احترام مخاطب کے لئے مسلم ہو، اور اس ہستی کی کسی ایسی ہی مفروضہ غلطی کی نشاندہی کر دیجئے جیسی آپ سے سرزد ہوئی ہے، اور کہہ دیجئے کہ یہ ایسی کوئی بڑی نہیں ہے۔ اپنے جرم کو ہلکا کرنے کے لئے کسی مشہور ہستی کو اپنی سطح پر لا کھڑا کرنا تو دنیا کے بہت سے شاطروں کا شیوہ رہا ہے، لیکن اس مقصد کے لئے حضور اکرم ﷺ کی ہستی کو وہی شخص استعمال کرسکتا ہے جس کے دل میں خوفِ خدا بلکہ ایمان تک کا بھی شائبہ نہ رہا ہو۔ حسبِ عادت اس مقام پر بھی پرویز صاحب نے کتر بیونت اور تحریف سے کام لیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ پر اس انداز کا الزام کبھی بھی نہیں لگایا گیا کہ آپؐ معاذ اللہ پیسے کے معاملے میں گڑ بڑ کرتے ہیں۔ آپؐ کے متعلق، منافقین نے محض یہ الزام لگایا تھا کہ آپؐ صدقات میں سے ہم لوگوں کو کم دیتے ہیں اور دوسرے ضرورت مندوں کو زیادہ۔ یہ بات نہیں کہ اُنہیں یہ شکایت پیدا ہوئی کہ آپؐ معاذ اللہ خود کچھ لے لیتے ہیں، دنیا جانتی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے صدقات کے اموال کو اپنے اور اپنے اہل و عیال پر حرام کر رکھا تھا۔ (حدیثِ دل گدازے، صفحہ ۳۷، ۳۸ + وآئینہ پرویزیت)''[۱۳]

اس باب کے مندرجات پر بھی، مقالہ نگار کو کسی اعتراض کی گنجائش نہ مل پائی۔ الحمد للہ

باب نمبر ۱۱: یہ کتاب کا آخری باب ہے، اس کا عنوان 'اخلاقی نامردی' ہے۔ اس باب میں جس چیز کو 'اخلاقی نامردی' قرار دیا گیا ہے وہ منکرین حدیث کا وہ رویہ ہے جس کے تحت یہ لوگ جب کسی سے اختلاف پر اُتر آتے ہیں تو دورانِ بحث اپنے موقف کو تو طلوعِ اسلام کے قارئین کے سامنے یک طرفہ طور پر پیش کر دیتے ہیں، لیکن اپنے مخالف کے موقف کو اُن کے سامنے آنے نہیں دیتے۔ عامۃ الناس کے سامنے، وہ تصویر کا وہی ایک رُخ لاتے ہیں، جو

---

⑬ کتاب (زیر بحث)، ص ۳۲۹

www.KitaboSunnat.com

اُنہیں پسند ہے، لیکن تصویر کا دوسرا رُخ جسے وہ ناپسند کرتے ہیں، پیش کرنے کو وہ اپنے مفاد کے خلاف سمجھتے ہیں۔ ان لوگوں کی انتہائی کوشش یہی ہوتی ہے کہ قارئین کرام طلوعِ اسلام، ان کے یک رُخے مطالعے پر ہی اپنی رائے قائم کرکے بیٹھ جائیں اور کسی دوسرے شخص کا موقف، خواہ وہ کتنا ہی مضبوط قوی اور صحیح ہو، ان کے سامنے آنے ہی نہ پائے۔ وہ اگر اپنے مخالف کے نقطۂ نظر کا تذکرہ کرتے بھی ہیں تو اُس (مخالف) کے الفاظ میں نہیں، بلکہ خود اپنے الفاظ میں، تغیر مفہوم کے ساتھ کرتے ہیں۔ اس باب میں 'اخلاقی نامردی' کی دو نہایت صریح مثالیں بڑی تفصیل سے پیش کی گئی ہیں۔ ایک مثال وہ ہے جو 'سنت کی آئینی حیثیت' پر مولانا مودودیؒ اور ڈاکٹر عبدالودود صاحب کے مابین مراسلت سے تعلق رکھتی ہے اور ابتداے مراسلت ہی میں ڈاکٹر صاحب نے پوری مراسلت کی اشاعت کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن مولانا مودودیؒ کے مضبوط دلائل کو طلوعِ اسلام کے قارئین تک نہ پہنچنے دیا گیا اور ڈاکٹر عبدالودود صاحب ہی کے بعض خطوط کو یک طرفہ طور پر شائع کر ڈالا گیا۔ آخر میں اس طرزِ عمل کو 'اخلاقی نامردی' کے سوا اور کیا نام دیا جاسکتا ہے۔ نیز اس مثال میں مولانا مودودیؒ کی عبارات کو جس خیانت کارانہ انداز میں پیش کرکے، عبارات کے مصنف ہی کو دھوکہ دینے کی کوشش ڈاکٹر صاحب نے فرمائی تھی، اس کی بھی دس گیارہ مثالیں پیش کی گئی ہیں۔

دوسری مثال، اس خط و کتابت پر مشتمل ہے جو میرے اور جناب محمد لطیف چوہدری، سابق ناظم ادارہ طلوع اسلام کے درمیان دسمبر ۱۹۸۸ء اور جنوری ۱۹۸۹ء میں ہوئی تھی۔ دونوں طرف کی مراسلت کو دیکھ کر ہر شخص خود اندازہ کرسکتا ہے کہ کس نے اپنے موقف کو اچھے انداز میں پیش کیا ہے اور کس نے اُوچھے انداز میں۔ کس کا موقف دلائل و براہین سے مملو ہے اور کس کا افترا پردازیوں اور بہتان تراشیوں پر مشتمل ہے، پھر ساتھ ہی محمد لطیف صاحب نے یہ مطالبہ بھی کیا کہ ان کے ارسال کردہ مکتوب کو 'محدث' میں شائع کیا جائے۔ محدث نے تو دونوں طرف کی مراسلت کو مارچ ۱۹۸۹ء کے شمارہ میں شائع کردیا، لیکن صحافتی دیانت کا یہ تقاضا، طلوعِ اسلام پورا نہ کرسکا اور اپنی 'اخلاقی نامردی' کی روش پر برقرار رہا۔

بہرحال اس آخری باب میں بھی پیش کردہ ہماری کسی بات کی نہ تو تردید ہی مقالہ نگار سے

www.KitaboSunnat.com

ہوسکی اور نہ ہی وہ کوئی اعتراض کر پائے۔ الحمد للہ علی ذلك

حرفِ آخر

آخری باب کے بعد 'حرفِ آخر' کے زیر عنوان میں نے چند صفحات میں پوری کتاب کا خلاصہ بیان کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ 'مفکر قرآن' جناب غلام احمد پرویز صاحب کن غیر اخلاقی اور غیر شائستہ پرویزی ہتھکنڈوں سے کام لے کر علماے کرام کو بالعموم اور مولانا مودودیؒ کو بالخصوص، تذلیل و تضلیل اور استہزاء و تضحیک کا نشانہ بناتے رہے ہیں اور مولانا مودودیؒ کس طرح پرویز صاحب کے معاندانہ اور زہریلے پراپیگنڈے کے جواب میں، صبر وسکوت کا دامن تھامتے ہوئے اور إذا مرُّوا باللغو مرُّوا كرامًا کی روش اختیار کرتے ہوئے خدمت اسلام کی مثبت کاوشوں پر جمے رہے ہیں۔ اس سلسلے میں مولانا مودودیؒ کے انتہائی شائستہ طرزِ عمل کی وضاحت کے لئے، میں نے اُن کا ایک اقتباس بھی ــــ مولانا مودودیؒ کا ایمان افروز جوابی طرزِ عمل ــــ کی سرخی کے تحت پیش کیا ہے۔

مقالہ نگار کا ایک اعتراض

'حرفِ آخر' کے زیر عنوان میری مندرجہ ذیل عبارت کو (جو صفحہ ۳۸۳ پر موجود ہے) مقالہ نگار نے ہدفِ اعتراض بنایا ہے:

> "وہ (پرویز صاحب) مالی معاملات میں گڑ بڑ کے الزام کو، اپنی ذات سے دفع کرنے کے لئے، منافقین کے نام لے کر، خود اپنی طرف سے رسول اللہ ﷺ پر یہی الزام عائد کرکے اس ذاتِ اقدس و اعظم کو، اپنی سطح پر گھسیٹ لانے میں شرم و عار محسوس نہیں کرتے۔"[۱۴]

پرویز صاحب کے شرم و حیا کے حوالہ سے، اس عبارت کو مقالہ نگار برسوں پہلے لکھے ہوئے میرے ایک خط کی مندرجہ ذیل عبارت کے ساتھ، متضاد و متصادم قرار دیتے ہیں:

> "میں نے کبھی یہ ضرورت محسوس نہیں کی کہ مضبوط دلائل اور قوی براہین کے ساتھ پرویز صاحب کی تردید کر ڈالنے کے بعد اُن کے متعلق 'بے شرم ہے، بے حیا ہے' جیسے سوقیانہ الفاظ بھی استعمال کروں۔" (کتاب زیر بحث صفحہ ۳۷۴)[۱۵]

---

[۱۴] طلوع اسلام، جون ۲۰۰۶ء، ص ۷ تا ۸

[۱۵] طلوع اسلام، جون ۲۰۰۶ء، ص ۷

www.KitaboSunnat.com

یہ الفاظ میرے اُس خط سے ماخوذ ہیں جو میں نے جنوری ۱۹۸۹ء میں محمد لطیف چوہدری ناظم ادارہ طلوعِ اسلام، لاہور کو اس وقت لکھے تھے جب کہ اُنہوں نے محدث میں چھپنے والے میرے ایک مضمون پر اظہارِ قلق کرتے ہوئے اور مجھ پر جھوٹے الزامات کی بوچھاڑ کرتے ہوئے یہ لکھا تھا کہ میں (قاسمی صاحب) نے پرویز صاحب کے لئے 'بے حیا ہے، بے شرم ہے' جیسے بازاری الفاظ استعمال کئے ہیں، اُس وقت میں نے جواباً اُنہیں یہ لکھا تھا کہ

> ''میرا مقالہ (جس پر آپ اعتراض فرما رہے ہیں) ماہنامہ محدث کے دسمبر ۱۹۸۸ء کے شمارے میں صفحہ ۵۰ سے ۵۸ تک پھیلا ہوا ہے۔ کیا آپ اس میں کہیں یہ جملہ دکھا سکتے ہیں کہ ''پرویز بے شرم ہے، بے حیا ہے'' اس بے سروپا الزام تراشی اور بہتان طرازی کے جواب میں میں اس کے سوا کیا کہہ سکتا ہوں کہ:
>
> ظالم! جفائیں کر، مگر اتنا رہے خیال
> ہم بے کسوں کا بھی کوئی پروردگار ہے!
>
> میں پرویز صاحب کے فکر کی تردید میں، ڈیڑھ دو سال سے 'محدث' میں مسلسل لکھ رہا ہوں۔ میں نے کبھی یہ ضرورت محسوس نہیں کی کہ مضبوط دلائل اور قوی براہین کے ساتھ پرویز صاحب کی تردید کر ڈالنے کے بعد، ان کے متعلق 'بے شرم ہے، بے حیا ہے' جیسے سوقیانہ الفاظ بھی استعمال کروں۔''[۱۶]

اور یہ میری اُس زمانے کی عبارت ہے جب میں نے طلوعِ اسلام کی مکمل فائل کا مطالعہ نہیں کیا تھا۔ اس وقت میں اگرچہ پرویز صاحب کو فکری طور پر راہِ راست پر نہیں سمجھتا تھا، لیکن اس کے باوجود میں اُنہیں قرآن کریم کا مخلص، نیک نیت اور دیانتدار طالب علم سمجھتا تھا۔ لیکن بعد میں جب ان کی بددیانتیاں، خیانت کاریاں، کذب بیانیاں، بہتان تراشیاں اور فریب کاریاں مجھ پر عیاں ہوتی چلی گئیں تو ان کے متعلق میرا یہ حسن ظن بھی جاتا رہا۔ اور اب جبکہ ان بہتان تراشیوں کی تیرافگنی کا نشانہ بننے سے عام علماے امت اور ائمہ فقہ تو رہے ایک طرف خود قرآن اور رسولِ قرآن بھی محفوظ نہ رہ پائے تو مجھے اس امر میں رتی برابر شک نہ رہا کہ وہ خوفِ خدا، شرم و حیا بلکہ (بقول محمد علی بلوچ صاحب) ایمان تک سے عاری ہیں۔

---

۱۶ کتاب (زیر بحث)، ص ۴۷۳

www.KitaboSunnat.com

دوسرا اعتراض

مقالہ نگار نے جو دوسرا اعتراض کیا ہے، اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ مکتبِ طلوع اسلام کی کرامت کے باعث یا پرویز صاحب کے فیضانِ نظر کے صدقے مقالہ نگار بھی دوسروں کی عبارات کو پیش کرتے وقت کتر بیونت سے کام لیتے ہیں، بالخصوص ایسی عبارتوں کو پیش کرتے وقت جن سے طلوعِ اسلام کی فاسد ذہنیت کی عکاسی ہوتی ہے۔ چنانچہ مقالہ نگار صاحب فرماتے ہیں:

> ''مارچ ۱۹۵۲ء کے ترجمان القرآن میں ایک قاری نے جناب مودودیؒ کو لکھا...... ''ابھی ابھی ایک پرچہ طلوعِ اسلام نظر سے گزرا۔ یہ پرچہ قریب قریب ان مضامین پر مبنی ہے جن میں آپ کی کتاب 'مرتد کی سزا، اسلامی قانون میں' کی قرآن کی رو سے تردید کی گئی ہے۔ ......
> ....اس سلسلے میں ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ'' آئندہ ماہ کے ترجمان القرآن میں آپ اس کا جواب لکھ رہے ہیں کہ نہیں؟ اگر کسی دوسرے پرچے میں اس کا جواب لکھ رہے ہوں تو ہمیں آگاہ کردیں تاکہ جو لوگ، اس پرچے کو پڑھ کر آپ کی طرف سے بددل ہوگئے ہیں ان کا ازالہ کردیا جائے۔'' جناب مودودیؒ نے پرویز صاحب کے مقالے 'قتل مرتد' کا جواب تو شائع نہ کیا، البتہ مستفسر کے جواب میں پرویز صاحب کا نام لئے بغیر گالیوں کی بوچھاڑ کردی۔''[۱۷]

اس اقتباس میں نقطوں کے ذریعہ جس عبارت کو محذوف ظاہر کیا گیا ہے وہ چونکہ طلوعِ اسلام کی ذہنیتِ فاسدہ کی عکاس ہے، اس لئے اسے مقالہ نگار نے چھوڑ دیا ہے، از راہِ کرم قارئین کرام! اس حذف کردہ عبارت کو (جو درج ذیل ہے) نقطوں والی جگہ پر رکھ کر پڑھ لیں۔ پرچے میں جملے ایسے ہیں جیسے برسوں کی چھپی ہوئی دشمنی کا بدلہ نکال رہے ہوں۔ اس پرچے کے آخر میں یعنی آخری صفحہ پر مفتی محمد شفیعؒ کے ایک تازہ فتوے کی جسے مولانا سید سلیمان ندویؒ کی تائید حاصل ہے، تردید بھی کی گئی ہے:

> ''ہماری سمجھ میں یہ نہ آسکا کہ آخر کس ہستی کو یہ لوگ مستند خیال کرتے ہیں۔''[۱۸]

اب رہی 'گالیوں کی بوچھاڑ' تو اس کے لئے یہ پورا اقتباس ملاحظہ فرمالیجئے:

---

[۱۷] طلوع اسلام، جون ۲۰۰۶ء، ص۸
[۱۸] ترجمان القرآن، مارچ ۱۹۵۲ء، ص۷۰

www.KitaboSunnat.com

''ہمیں تعجب ہے کہ طلوعِ اسلام کے تازہ ارشادات پر آپ نے ہمیں توجہ دلانے کی ضرورت کیوں محسوس فرمائی۔ یہ لوگ تو مسلسل دس سال سے ہم پر ایسی ہی عنایات کی بارش کئے جارہے ہیں اور کراچی سے نیا 'طلوعِ اسلام' شروع ہونے کے بعد تو شائد کوئی مہینہ ایسا نہیں گزرا ہے جس میں موسلا دھار بارش نہ ہوئی ہو۔ پھر اس موقع پر کیا خاص بات ایسی پیش آگئی کہ آپ نے ہم سے ان کے جواب کی فرمائش کرنا ضروری سمجھا؟ کیا آپ کو یہ معلوم نہیں ہے کہ ترجمان القرآن کے صفحات میں آج تک ہم نے کبھی ان حضرات کو مخاطب نہیں کیا ہے؟ ہم توقع رکھتے ہیں کہ ان کے حملوں پر ہمارے توجہ نہ کرنے کی وجہ، ہر معقول آدمی جو ترجمان القرآن اور طلوعِ اسلام دونوں کو پڑھتا ہے، خود سمجھ لے گا۔لیکن آپ کے اس خط سے محسوس ہوا کہ شاید بعض لوگوں کے لئے اس سلسلہ میں ہماری طرف سے کچھ تصریح کی بھی ضرورت ہے۔ لہٰذا یہاں دو اُصولی باتیں درج کی جاتی ہیں جن سے آپ کو نہ صرف طلوع اسلام کے معاملہ میں بلکہ اُن بہت سے دوسرے لوگوں کے معاملہ میں بھی ہمارے سکوت کی وجہ معلوم ہوجائے گی جو اخبارات، رسائل اور پمفلٹوں میں ہم پر آئے دن حملے کرتے رہتے ہیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ جو لوگ کسی شخص کی عبارات کو توڑ مروڑ کر اور ان کے ساتھ کچھ اپنی من گھڑت باتیں ملا کر پہلے اس کی ایک غلط پوزیشن بناتے ہیں اور پھر خود اپنی ہی بنائی ہوئی اس پوزیشن پر حملہ کرتے ہیں، ان کی اس حرکت سے صاف ظاہر ہوجاتا ہے کہ وہ تین قسم کی کمزوریوں میں مبتلا ہیں: ایک یہ کہ وہ اخلاق و ذہن کے اعتبار سے نامرد ہیں، ان میں یہ جرأت نہیں ہے کہ آدمی کی اصل پوزیشن پر حملہ کرسکیں۔ اس لئے پہلے وہ اس کی ایک ایسی کمزور پوزیشن بنانے کی کوشش کرتے ہیں جس پر حملہ کرنا آسان ہو۔ پھر بہادروں کی سی شان کے ساتھ اس پر دھاوا بول دیتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ وہ بے حیا ہیں، اُنہیں اس کی کچھ پروا نہیں کہ جن لوگوں کو اُس شخص کی اصلی پوزیشن معلوم ہے وہ اس کی اس کاریگری کے متعلق کیا رائے قائم کریں گے۔ ان کی نگاہ میں بس یہ کامیابی کافی ہے کہ کچھ ناواقف لوگوں کو وہ غلط فہمی میں مبتلا کردیں۔ تیسرے یہ کہ وہ خدا کے خوف اور آخرت کی جواب دہی کے احساس سے بالکل فارغ ہیں۔ ان کے لئے جو کچھ ہے، بس پبلک ہے جسے دھوکہ دے کر اگر وہ اپنا کام نکال لے گئے تو گویا اُنہیں فلاح حاصل ہوگئی۔ اوپر کوئی عالم الغیب جانتا ہے کہ اُنہوں نے کن افترا پردازیوں سے اپنا کام نکالا ہے تو جانا کرے۔ یہ نامردی اور یہ بے حیائی اور یہ

www.KitaboSunnat.com

ناخدا ترسی جن لوگوں کے طرزِ عمل میں صاف جھلک رہی ہو، ان کو اپنا مدمقابل بنانے کے لئے ہم کسی طرح تیار نہیں ہیں۔ وہ اگر اپنی ساری عمر بھی ہم پر حملے کرنے میں کھپا دیں تو شوق سے کھپاتے رہیں، ہم کبھی ان کا جواب نہ دیں گے۔

دوسری بات یہ ہے کہ قومی مسائل ہوں یا علمی مسائل؛ ان میں اگر آدمیت اور معقولیت کے ساتھ گفتگو کی جائے تو دلیل کا جواب دلیل سے دیا جاسکتا ہے۔اس طرح کے مباحثے مفید ونتیجہ خیز بھی ہوتے ہیں اور دلچسپ بھی۔ ان میں ہم احقاقِ حق اور افہام وتفہیم کے لئے بھی حصہ لینے کے لئے تیار ہیں اور طلبِ علم اور طلبِ حق کے لئے بھی۔ہمیں اپنی ہی بات منوانے پر اصرار نہیں ہے۔دوسرے کی بات معقول و مدلل ہو تو ہم کھلے دل سے اس کو مان لیں گے۔مگر جو لوگ دلیل سے کم اور گالی سے زیادہ کام لیں، جو زبان کھولتے ہی پہلے آدمی کی عزت پر حملہ کریں، جن کی تقریر کا اصل مدعا آدمی کو بدنیت اور بے ایمان ثابت کرنا ہو۔ اور جنہیں کوئی ذلیل سے ذلیل تہمت تراشنے میں تامل نہ ہو، ان کو کسی علمی یا قومی مسئلے میں بحث کا مخاطب بنانا کسی شریف اور معقول آدمی کے لئے تو ممکن نہیں ہے۔ ایسے لوگوں کی باتوں کا جواب دینے کی فرمائش جو لوگ ہم سے کرتے ہیں ان کی اس فرمائش سے ہمیں شبہ ہوتا ہے کہ وہ یا تو ہمیں بھی اسی قماش کا آدمی سمجھتے ہیں اور یہ ہماری توہین ہے یا وہ خود شرافت اور رذالت کا فرق نہیں سمجھتے اور یہ ان کی توہین ہے۔''⁽¹⁹⁾

مقالہ نگار صاحب کو یہ اعتراض اور شکایت ہے کہ اس اقتباس میں جناب مودودیؒ نے پرویز صاحب اور طلوعِ اسلام کے لئے 'نامرد، بے حیا اور ناخدا ترس' جیسے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ اکبرالہ آبادی کے الفاظ درج ذیل ہی میں اس اعتراض کا جواب دیا جاسکتا ہے:

شیطان کو رجیم کہہ دیا تھا اک دن
اِک شور اُٹھا خلافِ تہذیب ہے یہ

یقیناً طلوعِ اسلام اور پرویز صاحب کے طرزِ عمل میں نہ صرف یہی تینوں اوصاف بلکہ دیگر اوصاف بھی پائے جاتے ہیں۔ اور میری کتاب میں قدم قدم پر اس کے دلائل، براہین، شواہد اور ثبوت موجود ہیں۔ اگر کوئی شتر مرغ کی طرح آندھی کے آثار دیکھ کر ریت میں سر چھپا لے یا اپنے قارئین کو یکطرفہ پراپیگنڈے کے خول میں بند کرکے، اُنہیں یہ جھوٹا اطمینان دلا دے

⁽¹⁹⁾ ترجمان القرآن، مارچ ۱۹۵۲ء، ص ۷۰ تا ۷۲

www.KitaboSunnat.com

کہ کتابِ زیر بحث میں پرویز صاحب یا طلوعِ اسلام کے اقتباسات کو توڑ مروڑ کر یا سیاق وسباق سے علیحدہ کرکے پیش کیا گیا ہے تو اس جھوٹ سے حقیقت نفس الامری بدل نہیں جائے گی، بلکہ کاذبین کے اکاذیب میں مزید اضافہ ہوجائے گا۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جھوٹے کو جھوٹا، خائن کو خائن، تضاد گو کو تضاد گو، بہتان تراش کو بہتان تراش، اخلاقی نامرد کو اخلاقی نامرد، حیا سے عاری شخص کو بے حیا اور خدا خوفی سے بیگانہ فرد کو ناخدا ترس نہ کہا جائے تو پھر کیا کہا جائے؟ 'مفکر قرآن' صاحب ہی جواباً فرماتے ہیں:

> ''ہم ایک شخص کو اپنے ذاتی تجربہ اور دلائل وشواہد کی بنا پر جھوٹا اور بددیانت پاتے ہیں۔ ہمارا علیٰ وجہ البصیرت یقین ہے کہ وہ ایسا ہی ہے، ہم اسے دل میں ایسا سمجھتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ جب ہم ایسے شخص کا ذکر کریں تو کیا اسے جھوٹا اور بددیانت کہیں یا سچا اور نہایت ایماندار؟ ہمارے نزدیک یہ انتہائی بددیانتی ہے اور منافقت ہے کہ جس شخص کو جھوٹا اور بے ایمان (بددیانت) سمجھتے ہیں، اسے محض اس لئے سچا اور ایماندار کہیں کہ اسے جھوٹا کہنے سے اس کے مداحین بُرا مانیں گے۔''[40]

لہٰذا پرویز صاحب ہی کے اس فرمان کی رو سے بھی ہم یہ بددیانتی اور منافقت نہیں کرسکتے کہ جسے ہم علیٰ وجہ البصیرت، جھوٹا، خائن، متناقض الکلام، بہتان تراش، شرم وحیا سے عاری، خدا خوفی سے فارغ اور آخرت کی جوابدہی سے بے پرواہ پاتے ہیں، اسے ایسا نہ کہیں اور ایسا نہ لکھیں۔ جھوٹے کو جھوٹا اور بددیانت کو بددیانت کہنا، بداخلاقی نہیں بلکہ امرِ واقعہ کا اظہار ہے۔ متناقض الکلام اور بہتان تراش کو بہتان کہنا خلافِ تہذیب نہیں بلکہ اس کی واقعی حیثیت کو بیان کرنا ہے۔ شرم وحیا سے عاری، خدا خوفی سے فارغ اور آخرت کی جوابدہی سے بے پرواہ کو ایسا کہنا گالی نہیں، بلکہ حقیقت نفس الامری کا اعلان ہے۔

سید مودودیؒ پر 'عنایات'

تاہم اگر آپ اسے گالیاں ہی قرار دینا چاہتے ہیں تو میں یہ عرض کروں گا کہ ان گالیوں سے کہیں زیادہ گالیاں خود پرویز صاحب علماے کرام کو بالعموم اور سید ابو الاعلیٰ مودودی

---

(40) طلوع اسلام، ۱۷ دسمبر ۱۹۵۵ء، ص ۱۶

www.KitaboSunnat.com

کو بالخصوص دیتے رہے ہیں۔ عام علما کے خلاف سارے جہان کی لغزش لفظ 'مُلاّ' میں سمیٹ کر جس جس طرح نشانہ بناتے رہے ہیں، اس کی ایک ہلکی سی جھلک میرے اس مقالہ میں دیکھی جاسکتی ہے جو محدث کے مارچ ۲۰۰۶ کے شمارہ میں بعنوان 'علماے کرام کے خلاف، پرویز صاحب کا معاندانہ پراپیگنڈہ' چھپ چکا ہے۔ باقی رہے مولانا مودودیؒ، تو اُن کو دی جانے والی چند گالیاں مقالہ نگار کی خدمتِ اقدس میں نذر ہیں۔ چونکہ یہ سب گالیاں طلوعِ اسلام میں محفوظ ہیں، اس لئے ماہ وسال اور صفحہ نمبر بھی بطورِ حوالہ درج کئے جا رہے ہیں:

نمبر شمار	مغلظاتِ طلوعِ اسلام	ماہ وسال	صفحہ نمبر
①	ملائیت کا سرخیل (مودودی صاحب)	فروری ۱۹۵۳ء	۱۵
②	اسلام اور پاکستان دونوں کی دشمن (مودودی کی جماعت اسلامی)	اکتوبر ۱۹۵۳ء	۴۵
③	اسلام اور پاکستان، دونوں کیلئے خطرہ (مودودی)	۱۴ مئی ۱۹۵۵ء	۵
④	فتنہ انگیزی کا زہر پھیلانے میں منظّم طور پر سرگرم کار (مودودی)	جنوری ۱۹۶۱ء .	۴۴ تا ۴۵
⑤	اپنی مفاد پرستی کیلئے اسلام کے مقدس نام کو استعمال کرنیوالا (مودودی)	جنوری ۱۹۶۱ء .	۴۴ تا ۴۵
⑥	یہود کی طرح دین ساز (مودودی)	مئی ۱۹۶۳ء	۱۴۹
⑦	پاکستان کا کھلا کھلا باغی (مودودی)	دسمبر ۱۹۶۳ء	۳۴
⑧	بیچ بازار کھڑے ہوکر گالیاں دینے والا (مودودی)	جنوری ۱۹۶۴ء	۳۱
⑨	سرمایہ دارانہ نظام کا حامیٔ اعظم (مودودی)	اگست، ستمبر ۱۹۶۴ء .	۱۲۶
⑩	دوسروں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے والا	دسمبر ۱۹۶۳ء	۴۲
⑪	ہر آن بدلتے ہوئے اور تضاداتی اسلام کا علمبردار، جس پر	جنوری ۱۹۶۶ء	۲۳
	اصل اسلام بھی سرپیٹ کر رہ جائے۔	+جنوری ۱۹۷۴ء	۱۶
⑫	جھوٹا اور بے اُصول (جس سے تعاون کرنا ممکن ہی نہیں) (اداریہ)	جنوری ۱۹۶۸ء ...	۲ تا ۸
⑬	ساری زندگی تضادات سے بھرپور	اگست ۱۹۶۸ء	۴۹
⑭	جرأت اور دیدہ دلیری سے جھوٹ بولنے والا	فروری ۱۹۶۹ء	۴۰
⑮	مذہبی آمریت کے مقام پر براجمان	فروری ۱۹۷۰ء	۳۲

www.KitaboSunnat.com

⑯ صحابہ سے بغض رکھنے والا	جون ۱۹۷۰ء........ ۶۱
⑰ نہ خوفِ خدا، نہ شرمِ رسول	فروری ۱۹۷۱ء ۷۸
⑱ ڈھٹائی سے مکیاولی سیاست پر کاربند	ستمبر ۱۹۷۱ء....... ۶۳
⑲ پاکستان میں اس لئے آیا کہ اسلام کو ذلیل کرے اور پاکستان کو کمزور کرے جولائی ۱۹۷۳ء ..	۲۵
⑳ مرزائیت کے نقش قدم پر چلنے والا، مگر اس سے بھی زیادہ خطرناک	دسمبر ۱۹۷۴ء ۲۳
ایضاً	جون ۱۹۷۶ء ۹
㉑ اُمتِ محمدیہؐ سے شدید بغض وعناد رکھنے والا	دسمبر ۱۹۷۴ء ۳۹
㉒ دین اسلام کو تفریح سمجھنے والا	ستمبر ۱۹۷۶ء........ ۱۵
㉓ نفرت کی اشاعت کے مشن کا علمبردار	جنوری ۱۹۷۷ء ۱۴
㉔ سیرتِ رسولؐ کو داغدار کرنے کا سازشی بلکہ اس سازش کا بانی	مارچ ۱۹۷۷ء ۱۶
㉕ اسلام کو بدنام کرنے والا	مارچ ۱۹۷۷ء ۱۶
㉖ قرآنِ کریم کی ابجد سے بھی ناواقف	مارچ ۱۹۷۷ء ۳۱
㉗ قرآن سے کھلا کھلا بغض رکھنے والا	اپریل ۱۹۷۷ء..... ۲۷
㉘ نظریۂ ضرورت کے تحت فتوائے کذب دینے والا	فروری ۱۹۸۳ء ۷
㉙ نظریۂ ضرورت کے اسلام کا حامل	جولائی ۱۹۸۳ء..... ۴۸
㉚ ہوسِ اقتدار میں پاکستان کو جہنم میں دھکیلنے والا	اکتوبر ۱۹۸۵ء...... ۲۶

یہ وہی مودودیؒ صاحب ہیں، جن کے متعلق کبھی پرویز صاحب نے طلوع اسلام میں یہ بھی لکھا تھا کہ

''ترجمان القرآن، ایک ماہانہ مجلّہ ہے جو چھ سال سے مسلسل اسلام کی صحیح ترجمانی اور قرآن حکیم کی حکیمانہ دعوت کی نشر وتبلیغ کر رہا ہے۔ جن لوگوں کو مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی فکری اور اسلامی صلاحیتوں کا علم ہے، اُن کے لیے بس یہ کہنا ہی کافی ہے کہ آپ ہی ترجمان القرآن کے مدیر اعلیٰ ہیں۔ خدا تعالیٰ نے مولانا موصوف کو، اس زمانہ میں اسلام کی خدمت اور ملت کی تجدید کے لیے بہرۂ وافر عطا فرمایا ہے، اور وہ شرحِ صدر، وہ اسلامی بصیرت اور

www.KitaboSunnat.com

تفقہ فی الدین دیا ہے جو مغربی الحاد کے دور میں ہر چیز کا صحیح ادراک کر کے، قرآنِ کریم کی روشنی میں ہر مرض کا تریاق مہیا کرتا ہے۔ ترجمان القرآن کا موضوع قرآن حکیم ہے، ایک طرف وہ قرآنِ حکیم کی روشنی میں تاریک دلوں کو منور کر رہا ہے، اور دوسری طرف فرنگی اور مغربی الحاد کے خلاف مسلسل جہاد کر کے مغربی فلسفہ کا رعب دلوں سے نکال رہا ہے۔

قرآن کریم کو منشاءِ الٰہی کے مطابق صحیح سمجھنا، صحیح اُصولوں پر اس کی نشر و اشاعت کرنا، اسلام کے خلاف باطل سرچشموں کا پتہ لگانا اور ان کو عقل سلیم کی حجت سے بند کرنا، اسلام کے مقابلہ میں بڑی سے بڑی مخالفت سے مرعوب نہ ہونا، ذہنیتوں میں یکسر انقلاب پیدا کر دینا اور وقت کی مناسبت سے جملہ مشکلات کا حل قرآن کریم سے پیش کرنا وغیرہ وہ خصوصیات ہیں جو بحمد اللہ رسالہ 'ترجمان القرآن' کو حاصل ہیں۔ ہندوستان میں آج کل سیاست کے نام پر مسلمانوں میں جو گمراہی پھیلائی جا رہی ہے، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اس سے غافل نہیں ہیں اور کتاب و سنت کی روشنی میں مسلمانوں کی سیاسی رہنمائی بھی فرما رہے ہیں۔ اس رسالہ کا مطالعہ ہر خیال کے مسلمانوں کے لیے ازبس ضروری ہے، خصوصاً ان تعلیم یافتہ اور روشن خیال مسلمانوں کے لیے جو فلسفہ جدیدہ، سائنس اور مغربی حکما کی دانش فروشیوں سے مرعوب ہو چکے ہیں اور جنہوں نے مذہب کو عقل و دانش اور ترقی کے خلاف سمجھ لیا ہے۔ کالج اور یونیورسٹیوں کے طلبہ اور اساتذہ کو اس رسالہ کا مطالعہ سب سے پہلے کرنا چاہئے، بلحاظِ نصب العین اور مسلک 'ترجمان القرآن' اور 'طلوع اسلام' کو ایک ہی اصل کی دو شاخیں سمجھئے۔''

(طلوعِ اسلام، جولائی ۱۹۳۸ء صفحہ ۷۸)

دو قابل توجہ باتیں

یہاں میں، قارئین کرام کی توجہ کے لئے، دو باتوں کو پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں:

① ایک یہ کہ پرویز صاحب علماے کرام اور مولانا مودودی کے خلاف انتہائی دریدہ ذہنی کے ساتھ ان پر لگائے گئے جھوٹے الزامات کو بہ تکرار و اِعادۂ بسیار ــــ اس لئے بھی ــــ اُچھالا کرتے تھے کہ اس کی آڑ میں خود ان کی اپنی حرکاتِ سیئہ چھپی رہیں۔ چالاک، عیار اور مکار لوگ، بلند نصب اُلعین کا لبادہ اوڑھ کر، تنقید کے پردے میں تنقیص و توہین کرتے ہوئے، دوسروں پر کیچڑ اُچھالا کرتے ہیں تاکہ ان کی اپنی سیاہ عملی مستور و مخفی رہے۔ اس نفسیاتی حقیقت

کو ایک مقام پر خود طلوعِ اسلام نے بھی بیان کیا ہے، اس لئے میں مقالہ نگار اور دیگر وابستگانِ طلوعِ اسلام کے سامنے اسی اقتباس کا آئینہ پیش کئے دیتا ہوں، تاکہ وہ خود بھی:

''اپنی روش کا نفسیاتی تجزیہ کرکے دیکھیں کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ ان کا نفس، دوسروں کی تنقیص میں اس لئے مصروف ہے تاکہ اس کی اپنی سہل انگاری ڈھکی رہے اور اسے چھپانے کے لئے، اُس نے بلند نصب العین کو آڑ بنا رکھا ہو، فریبِ نفس سے اکثر ایسا ہوا کرتا ہے۔''(۲۱)

اور دریدہ دہنی اور تلخ نوائی کے ساتھ علماے کرام کے خلاف، ان جھوٹے اور باطل الزامات کی بوچھاڑ...... اس لئے بھی ہے کہ اس سے علما اور ان کے متبعین کے خلاف قلوبِ قارئین طلوعِ اسلام میں جو نفرت پیدا ہوتی ہے، وہ اُنہیں متحد رکھنے میں کام آئے، کیونکہ عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ لوگوں کو دوسروں کے خلاف متحد رکھنے کے لئے 'حبِ علیؓ' سے کہیں زیادہ مؤثر داعیہ 'بغض معاویہؓ' ہی کا داعیہ سمجھا جاتا ہے، لہٰذا اپنے فرقہ منکرین حدیث کے (جسے فرقہ کی بجائے مکتبِ فکر کا نام دیا جاتا ہے) تشخص کو قائم و برقرار رکھنے کے لئے علما کے خلاف نفرت انگیز، زہریلے اور معاندانہ پراپیگنڈے کی یلغار کو پیہم رواں دواں اور جواں رکھنا، 'مفکر قرآن' کی ایک مجبوری تھی۔ اور یہ ٹیکنیک انہوں نے بدقسمتی سے اُمتِ مسلمہ ہی کے بعض بے بصیرت پیشواؤں سے اخذ کی ہے، کیونکہ بقول پرویز صاحب:

''فرقہ بندی کی نفسیات یہ ہیں کہ اپنے فرقہ کے لوگوں کے دل میں دوسروں کی طرف سے نفرت پیدا کی جائے۔ جس قدر نفرت شدید ہوگی، اتنا ہی فرقہ زیادہ مضبوط ہوگا۔''(۲۲)

فرقے ہوں یا پارٹیاں، ان کا جداگانہ تشخص، دوسرے فرقوں یا پارٹیوں کے خلاف جذباتِ نفرت کی بنا پر قائم رہتا ہے۔''(۲۳)

اور طلوعِ اسلام کی فائل گواہ ہے کہ پاکستان میں پرویز صاحب نے اپنی ساری عمر، علما کے خلاف، (بالخصوص) مولانا مودودیؒ کے خلاف جذبات نفرت کو بھڑکانے اور ہوا دینے ہی میں کھپا دی۔

(۲) اور دوسری بات یہ کہ 'مفکرِ قرآن' صاحب علما کے خلاف جو الزامات عائد کرتے رہے ہیں، ان میں بعض قطعی بے اصل، بے بنیاد اور بے سروپا ہیں اور بعض کو اپنے مخالفین کی

(۲۱) طلوع اسلام، دسمبر ۱۹۴۰ء، ص ۱۳ (۲۲) ایضاً، اپریل ۱۹۷۳ء، ص ۱۱ (۲۳) ایضاً، نومبر ۱۹۷۸ء، ص ۲

www.KitaboSunnat.com

عبارات کو کانٹ چھانٹ، مسخ وتحریف، سیاق وسباق سے اُکھاڑ پچھاڑ، کتر بیونت اور خدع وفریب کا نشانہ بناتے ہوئے 'ثابت' کیا ہے جن کی قلعی میری (زیر بحث) کتاب میں کھولی گئی ہے۔ جبکہ میں نے پرویز صاحب کے متعلق اپنی کتاب میں جو کچھ لکھا ہے، وہ ایسے اٹل حقائق ہیں جنہیں دلائل و براہین اور شواہد و بینات سے ثابت کیا گیا ہے اور جنہیں اگر کوئی عدالتی جج بھی اپنی تحقیق و تفتیش کی جولانگاہ بنائے تو وہ بھی کمپوزنگ کی اغلاط کے سوا حقائق وواقعات میں کوئی سقم نہیں پائے گا۔

بہر حال میں 'مفکرِ قرآن' صاحب کی اس صلاحیت کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ وہ بہر حال قلمی صلاحیتوں کے دھنی تھے۔ اُنہوں نے اپنے زورِ قلم سے گالیاں دینے کو بھی ایک فن بنا دیا ہے۔ جناب افتخار احمد بلخی مرحوم ان کی 'ادبی اور قرآنی خدمات' میں سے تیسری خدمت کا ذکر بایں الفاظ کرتے ہیں:

''رہی وہ تیسری خدمت یعنی ذوق دشنام طرازی کی تسکین اور اس کے مقتضیات سے عہدہ برآ ہونے اور اخلاقی بضاعت کے افلاس پر فریب و ریا کے پردے ڈالے جانے کی خاطر جو گالیوں کو باضابطہ ایک 'فن شریف' بنا کر پیش کئے جانے کی ضرورت میں، پوری سرگرمی کے ساتھ انجام دی جارہی ہے، وہ دراصل اس دورِ ترقی وتجدد کا ایک مرض ہے، جس کے متواتر وپیہم دورے پڑتے رہتے ہیں۔ اس مرض کو آپ 'ملا خولیا' کے نام سے یاد کرسکتے ہیں۔ اس مرض کی علت وہ احساسِ کمتری ہے جو تحت الشعور میں جاگزیں ہے، یا کتاب وسنت میں درک وبصیرت کے فقدان کا ایک ردّعمل ہے جو اس شکل میں ظہور پذیر ہوتا رہتا ہے۔ [۴۴]

اور اس 'جہادِ اکبر' کے لئے اس ادارے نے جو اسلحہ فراہم کر رکھے ہیں، وہ ذاتی پرخاش، آتش حسد، گندگیاں اُچھالنے کی فن کاری، تضلیل وتحقیر، تضحیک واستہزا، کذب وافترا، اتہام ودشنام طرازی اور اقتدارِ وقت کو اُکسا کر، جبر وتشدد پر آمادہ کرنے کی سعی جیسے 'قرآنی' حربے ہیں۔'' [۴۵]

---

[۴۴] فتنۂ انکارِ حدیث کا منظر وپس منظر، حصہ سوم، ص ۲۹

[۴۵] فتنۂ انکارِ حدیث کا منظر وپس منظر، حصہ سوم، ص ۲۸

www.KitaboSunnat.com

تذکرۃ المشاہیر

مولانا محمد شفیق مدنی

'جامع ترمذی' ایک تعارف

امام ترمذیؒ کی تصانیف

امام ترمذیؒ کو چونکہ حدیث اور علوم حدیث کے علاوہ تاریخ، فقہ اور تفسیر وغیرہ پر بھی کافی دسترس حاصل تھی لہٰذا اُنہوں نے مختلف موضوعات پر قلم اُٹھایا اور بہت سی علمی کتب تصنیف کیں جن میں سے چند معروف کتب یہ ہیں:

① کتاب الجامع، جوسنن ترمذی کے نام سے مشہور ہے۔

② الشمائل النبویۃ جوشمائل ترمذی کے نام سے مشہور ہے اور یہ آنحضرتﷺ کی سیرت کے متعلق احادیث میں ایک بہترین تصنیف ہے جیسا کہ عبدالحق محدث دہلوی نے أشعة اللمعات میں اس کی تعریف فرمائی ہے۔

③ کتاب العلل اس موضوع پر آپ کی دو کتابیں ہیں: ۱۔کتاب العلل الصغیر اور ۲۔کتاب العلل الکبیر جس میں امام ترمذی نے زیادہ تر اپنے استاذ امام بخاریؒ سے استفادہ کیا ہے۔

④ کتاب الزہد ⑤کتاب التاریخ ⑥ الأسماء والکنٰی

⑦کتاب التفسیر ⑧کتاب الجرح والتعدیل[1]

امام ترمذیؒ کی وفات

امام ترمذیؒ کا انتقال مشہور روایت کے مطابق ۱۳ رجب ۲۷۹ھ میں ۲ شنبہ کی شب کو خاص ترمذ شہر میں ستر سال کی عمر میں ہوا۔لیکن ابن خلکانؒ نے سمعانیؒ کے حوالہ سے لکھا ہے

''امام ترمذی بوغ بستی میں ۲۷۹ھ میں فوت ہوئے جو کہ ترمذ سے چھ فرسخ (اٹھارہ میل) کے فاصلے پر واقع ہے۔

① مقدمة تحفة الأحوذي:ص ۲۷۱

www.KitaboSunnat.com

جامع ترمذی کے فضائل ومحاسن

حافظ ذہبیؒ تذكرة الحفاظ میں ابوعلی منصور بن عبد اللہ خالدی کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ امام ابوعیسیٰ ترمذی کا کہنا ہے کہ

''میں نے اس کتاب کو تصنیف کرنے کے بعد علماے حجاز پر پیش کیا تو وہ اس پر بہت خوش ہوئے۔ پھر میں نے اسے علماے عراق پر پیش کیا تو اُنہوں نے بھی اسے پسند فرمایا۔اس کے بعد میں نے اس کتاب کو علماے خراسان پر پیش کیا تو انہوں نے بھی اس کو پسند کیا۔ جس شخص کے گھر میں یہ کتاب ہے گویا کہ اس گھر میں پیغمبر اسلام ﷺ گفتگو فرما رہے ہیں۔''②

حافظ ابن اثیرؒ جامع الأصول میں فرماتے ہیں:

''امام ترمذیؒ کی کتاب بہت سے علمی فوائد کی حامل، عمدہ ترتیب سے مزین اور بہت کم تکرار والی حدیث کی ایک بہترین کتاب ہے جس میں علما کے اقوال، طریقہ ہائے استدلال اور حدیث پر صحیح، ضعیف اور غریب ہونے کا حکم لگانے کے علاوہ جرح وتعدیل کا بیان اس قدر کثرت سے پایا جاتا ہے جو حدیث کی کسی اور کتاب میں نہیں ملتا۔''③

صاحب تحفۃ الاحوذی شیخ الاسلام ابواسماعیل الہروی کے حوالہ سے رقم طراز ہیں کہ

''امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ کی کتاب ہمارے نزدیک، بخاری ومسلم کی کتاب سے زیادہ مفید ہے کیونکہ بخاری اور مسلم کی کتابوں سے تو صرف ایک ماہر عالم ہی مستفید ہوسکتا ہے جبکہ ابوعیسیٰ کی کتاب سے فقہا اور محدثین کے علاوہ عام آدمی بھی استفادہ کرسکتا ہے، کیونکہ اس میں بیان کردہ احادیث کی امام صاحب نے خود ہی شرح اور وضاحت کردی ہے۔''

مزید لکھتے ہیں کہ فتح الدین ابن سید الناس (م ۷۲۴ھ) شرح ترمذی کے مقدمہ میں حافظ یوسف بن احمد سے نقل کرتے ہیں:

''امام ابوعیسیٰ ترمذی کی کتاب ان پانچ کتابوں میں شامل ہے جن کی قبولیت اور اصول کی صحت پر علما، فقہا اور اکابر محدثین میں سے اہل حل وعقد اور اربابِ فضل و دانش نے اتفاق کیا ہے۔''

اور شیخ ابراہیم بیجوری المواهب اللدنيّة میں طلبا حدیث کو مشورہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ہر طالب حدیث کو امام ترمذیؒ کی جامع صحیح کا مطالعہ کرنا چاہئے، کیونکہ یہ کتاب حدیث وفقہ

---

② تذكرة الحفاظ ٢/ ٦٣٤، كشف الظنون ١/ ٥٥٩

③ جامع الأصول ١/ ١٢٩

www.KitaboSunnat.com

کے علمی فوائد اور سلف وخلف کے مذاہب کا ایک ایسا جامع مرقع ہے، جو مجتہد کی ضرورت کو پورا کر دیتا اور مقلد کو بے نیاز کر دیتا ہے۔''④

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رقم طراز ہیں کہ

''میرے نزدیک وسعتِ علم، بہت مفید تصنیفات اور زیادہ شہرت حاصل کرنے کے اعتبار سے چار محدث ہیں جو آپس میں تقریباً تقریباً ہم عصر ہیں۔ ان کے نام نامی اسماء گرامی ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری، مسلم بن حجاج نیشا پوری، ابوداود سجستانی، اور ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی ہیں۔''⑤

علامہ شاہ عبدالعزیز بستان المحدثین میں فرماتے ہیں:

''ترمذی کی کل تصانیف بہت زیادہ ہیں، ان میں سے سب سے بہترین تصنیف ان کی جامع ہے بلکہ متعدد وجوہ کی بنا پر تمام کتبِ حدیث سے زیادہ مفید اور بہتر ہے اور وہ وجوہ درج ذیل ہیں:

① حسن ترتیب اور عدمِ تکرار

② فقہا کے مذاہب اور ہر ایک مذہب کے استدلال کی وجوہ کا تذکرہ

③ حدیث کی انواع یعنی صحیح، حسن، ضعیف، غریب اور معلل کا بیان

④ رواۃ کے اسما، القاب اور ان کی کنیتوں کا بیان اور علم أسماء الرجال کے متعلق دیگر فوائد کا تذکرہ⑥

امام ترمذیؒ نے اپنی جامع میں امام ابوداود سجستانیؒ اور امام بخاریؒ دونوں کے طریقوں کو جمع کیا ہے۔ ایک طرف آپ نے احادیثِ احکام میں سے صرف ان احادیث کو لیا ہے جن پر فقہا کا عمل رہا ہے تو دوسری طرف اپنی کتاب کو صرف احکام کے لئے مختص نہیں کیا، بلکہ امام بخاریؒ کی طرح سیر، آداب، تفسیر، عقائد، فتن، احکام، شرائط اور مناقب سب ابواب کی احادیث کو لے کر اپنی کتاب کو جامع بنا دیا ہے اور پھر اس پر مستزاد یہ کہ علومِ حدیث کی مختلف انواع کو اس میں اس طرح سمو دیا ہے کہ وہ علم حدیث کا مرجع بن گئی ہے۔

اسی طرح ابوجعفر بن زبیر (م ۷۵۸ھ) برنامج میں صحاحِ ستہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''امام ترمذیؒ کو علم حدیث کے مختلف فنون کو جمع کرنے کے لحاظ سے جو امتیاز حاصل ہے اس

---

④مقدمة تحفة، ص ۲۸۱، ۲۸۲ ⑤حجة الله البالغة، ۱۵۱

⑥بستان المحدثين، ص ۱۸۵

www.KitaboSunnat.com

میں کوئی دوسرا ان کا شریک نہیں۔''

جامع ترمذیؒ چودہ علوم پر مشتمل ہے

امام سیوطی قوت المغتذي میں رقم طراز ہیں کہ

حافظ ابوعبداللہ محمد بن عمر بن رشید (م۷۲۲ھ) نے کہا ہے کہ میری تحقیق کے مطابق جامع ترمذی کا اجمالی طور پر درج ذیل سات علوم پر مشتمل ہونا واضح ہے:

① تبویب یعنی احادیث کو ابواب کے تحت ترتیب دینا

② علم فقہ کا بیان

③ علل حدیث کا تذکرہ جو صحیح، ضعیف اور ان کے درمیانی مراتب حدیث پر مشتمل ہے

④ راویوں کے نام اور کنیتوں کا بیان

⑤ رجال واسانید پر جرح اور تعدیل کا ذکر

⑥ جن رواۃ سے حدیث نقل کی ہے، ان کے متعلق یہ وضاحت بھی کردی ہے کہ ان میں سے کس نے آنحضرت ﷺ کو پایا ہے اور کس نے نہیں اور ان کا ذکر بھی کیا ہے جن سے مسند روایت کرتے ہیں۔

⑦ ایک حدیث کے مختلف راویان کا شمار

اس بیان کے بعد حافظ موصوف لکھتے ہیں کہ یہ تو اس کتاب کے علوم کا اجمالی خاکہ ہے باقی رہے تفصیلی علوم تو وہ بہت زیادہ ہیں۔ حافظ ابن سید الناس فرماتے ہیں کہ وہ علوم جو امام ترمذیؒ کی کتاب میں موجود ہیں لیکن ابن رشید نے ان کا ذکر نہیں کیا، درج ذیل ہیں:

⑧ شذوذ کا بیان

⑨ موقوف کا بیان

⑩ مدرج کا بیان[7]

قاضی ابوبکر ابن العربي (م۵۴۷ھ) نے عارضة الأحوذي میں درج ذیل چار علوم کا مزید اضافہ کیا ہے:

⑪ مسند، موصول اور مقطوع حدیث کا بیان

⑫ متروک العمل اور معمول بہ روایات کی وضاحت

⑬ احادیث کے ردوقبول کے بارے میں علماء کے اختلاف کا بیان

⑭ حدیث کی توجیہ وتاویل کے سلسلہ میں علماء کے اختلاف وآرا کا ذکر[8]

www.KitaboSunnat.com

جامع ترمذیؒ کی شرائط

حافظ ابوالفضل بن طاہر اپنی کتاب شروط الأئمة میں فرماتے ہیں کہ

''جامع ترمذی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ترمذیؒ نے اپنی کتاب میں چار شرائط کو ملحوظ رکھا ہے جو درج ذیل ہیں:

① امام ترمذیؒ نے اپنی کتاب میں وہ روایات بیان کی ہیں جو قطعی طور پر صحیح ہیں اور بخاری و مسلم کی شرائط کے مطابق ہیں اور ان میں بعض روایات ایسی بھی ہیں جو صحیحین میں ہیں۔

② امام ترمذیؒ نے ایسی روایات بھی ذکر کی ہیں جو امام ابوداود اور نسائی کی شرائط کے مطابق صحیح ہیں۔ یعنی اُنہیں ایسے راویوں سے روایت کیا ہے جن کے متروک ہونے پر محدثین کا اتفاق نہیں ہے۔ جب وہ متصل سند سے صحیح ثابت ہو گئیں اور ان میں کوئی مقطوع اور مرسل بھی نہیں تھی تو یہ بھی ان کے نزدیک صحیح کی قسم سے ہیں، لیکن یہ صحیح کی وہ قسم نہ ہوگی جسے بخاری اور مسلم نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے بلکہ یہ صحیح کی اس قسم سے ہیں جن کو بخاری اور مسلم نے چھوڑ دیا ہے، کیونکہ بخاری اور مسلم نے بہت سی ایسی صحیح حدیثیں چھوڑ بھی دی ہیں جو اُن کو یاد تھیں۔

③ بعض اوقات ایسی احادیث جن کی صحت یقینی نہیں ہوتی، صرف اس بنیاد پر ذکر کردیتے ہیں کہ بعض علما نے ان کو اپنی کتب میں بیان کر کے ان سے استدلال کیا ہوتا ہے۔ امام ترمذیؒ ایسی احادیث بیان کرنے کے بعد ان کی اس کمزوری کی وضاحت کردیتے ہیں جو محدثین نے بیان کی ہوتی ہے تاکہ شبہ ختم ہوجائے اور وہ اس قسم کی روایات اس وقت ذکر کرتے ہیں جب اُنہیں ان روایات کا کوئی اور طریق نہیں ملتا، کیونکہ ان کے نزدیک حدیث بہرحال علما کی رائے اور قیاس سے زیادہ قوی ہے۔

④ امام ترمذیؒ اپنی کتاب میں ہر وہ حدیث جس سے کسی محدث یا عالم نے استدلال کیا ہو یا اس پر عمل کیا ہو بیان کردیتے ہیں خواہ اس کی سند صحیح ہو یا ضعیف، لیکن اس کی صحت و ضعف کو بیان کر کے اپنی ذمہ داری سے عہدہ برا ہو جاتے ہیں۔⑨ لیکن موضوع اور واہی

---

⑦ مقدمة تحفة، ص ۲۸۱،۲۸۲ ⑧ مقدمة عارضة الأحوذي، ص ۵،۶ ⑨ صفحہ ۱۶

www.KitaboSunnat.com

روایات سے اجتناب کرتے ہیں، کیونکہ ائمہ کرام ان سے استدلال نہیں کرتے۔

جامع ترمذی کا صحاحِ ستہ میں مقام

کشف الظنون میں ہے کہ ”امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ کی کتاب 'جامع صحیح' صحاح ستہ میں تیسرے نمبر پر ہے یعنی اس کا رتبہ صحیحین کے بعد ہے۔“⑩

البتہ امام سیوطیؒ نے اپنی کتاب تدریب الراوي میں امام ذہبیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے:

”انحطت رتبة جامع الترمذي عن سنن أبی داؤد والنسائي لإخراجه حديث المصلوب والكلبي وأمثالها“

”جامع ترمذیؒ کا رتبہ سنن ابی داؤد اور سنن نسائیؒ سے کم ہے، کیونکہ امام ترمذیؒ نے محمد بن سعید مصلوب اور محمد بن سائب کلبی وغیرہ کی احادیث بیان کی ہیں۔“⑪

صاحب تحفۃ الاحوذی، علامہ مبارکپوری فرماتے ہیں کہ

تهذیب التهذیب، تقریب التهذیب، خلاصة تذهیب تهذیب الکمال اور تذکرة الحفاظ کے رموز سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ جامع ترمذی رتبہ کے لحاظ سے سنن ابو داود کے بعد اور سنن نسائی سے پہلے ہے کیونکہ ان کتابوں کے مصنّفین سنن ابی داؤد، جامع ترمذی اور سنن نسائی کی طرف اشارہ کرنے کے لئے اپنے کتابوں میں (د ت س) لکھتے ہیں۔ 'د' سے مراد سنن ابی داؤد، 'ت' سے مراد جامع ترمذی اور 'س' سے مراد سنن نسائی لیتے ہیں۔ اسی طرح جامع صغیر میں امام سیوطیؒ کے رموز بھی اسی پر دلالت کرتے ہیں اور مناویؒ نے اس کی شرح فیض القدیر میں کہا ہے کہ مؤلف کے اس فعل سے معلوم ہوتا ہے کہ

”جامع ترمذی رتبہ میں ابوداود اور نسائی کے درمیان ہے۔“

لیکن میرے نزدیک ظاہر اور راجح قول صاحب کشف الظنون کا ہے کہ جامع ترمذی صحاحِ ستہ میں تیسرے نمبر پر ہے کیونکہ اگرچہ امام ترمذی نے مصلوب اور کلبی وغیرہ کی حدیثیں بیان کی ہیں لیکن ان کے ضعف کو بیان کر کے اس طرف اشارہ کر دیا ہے کہ یہ حدیثیں ان کے نزدیک شواہد اور متابعات کے باب سے ہیں۔⑫ اس بات کی تائید میں حافظ حازمیؒ شروط الائمة میں فرماتے ہیں کہ ترمذی کی شرط ابوداؤد کی شرط سے زیادہ اَبلغ ہے کیونکہ جب کوئی

---

⑩ کشف الظنون: ۱/۵۵۹ ⑪ تدریب الراوی: ۱/۱۷۱ ⑫ مقدمہ تحفۃ، ص ۲۸۸

www.KitaboSunnat.com

حدیث ضعیف ہوتی ہے یا وہ چوتھے طبقے کے راویوں سے منقول ہوتی ہے تو امام ترمذیؒ اس کے ضعف کو بیان کرکے اس پر تنبیہ کردیتے ہیں۔ایسی حدیث ان کے نزدیک شواہد کے باب سے ہوتی ہے جب کہ ان کا اصل اعتماد اسی حدیث پر ہوتا ہے جو راویوں کی ایک جماعت سے صحیح منقول ہوتی ہے۔علاوہ ازیں جامع ترمذی،سنن ابوداود اور نسائی سے زیادہ نافع اور فوائد میں زیادہ جامع ہے[13] اسلئے راجح بات وہی ہے جو صاحب کشف الظنون نے کہی ہے۔

جامع ترمذی کی شروحات

شروحات کے اعتبار سے صحیح بخاری کے بعد جامع ترمذی کی اہمیت وافادیت کے پیش نظر علما اور محدثین نے اس کو اپنی توجہ کا مرکز ٹھہرایا اور اس کی متعدد شروحات اور حواشی لکھے۔ چند مشہور ومتداول شروحات وحواشی مندرجہ ذیل ہیں:

① المنقح الشذي في شرح الترمذي از حافظ ابوالفتح محمد بن محمد بن سید الناس الشافعی (م۷۳۴ھ)۔ موصوف اپنے وقت کے ائمہ حدیث میں شمار ہوتے ہیں۔

کشف الظنون میں ہے کہ آپ جامع کی شرح مکمل نہیں کر سکے۔ابھی کتاب کے دو ثلث تک بھی نہیں پہنچے تھے کہ شرح دس جلدوں تک پہنچ گئی آپ اگر صرف فن حدیث پر اکتفا کرتے تو شرح مکمل ہو جاتی۔ پھر بعد میں حافظ زین الدین عبدالرحیم عراقی نے اس شرح کی تکمیل کی لیکن حافظ سیوطی لکھتے ہیں کہ حافظ عراقی بھی اس کی تکمیل نہیں کر سکے۔☆

② عارضة الأحوذي،از حافظ ابوبکر ابن العربي مالکی (م۵۴۶ھ)موصوف نے حدیث، فقہ،اُصول،علوم قرآن،ادب،نحو اور تاریخ میں کتب تصنیف کیں اور اپنے دور کے مجتہد تھے۔

③ مختصر الجامع از نجم الدین سلیمان بن عبدالقوی طوفی حنبلی (م۷۱۰ھ)

④ مختصر الجامع،از نجم الدین محمد بن عقیل بالسی شافعی (م۷۲۹ھ)

⑤ شرح الترمذي،از شیخ زین الدین عبدالرحمٰن بن شہاب الدین احمد بن حسن بن رجب بغدادی حنبلی (م۷۹۵ھ) آپ اُصولی ،محدث،فقیہ،مشہور واعظ اور علوم کے امام تھے اور بہت سی کتب بھی تصنیف کیں۔

---

[13] شروط الأئمة الخمسة، ص ٤٩ ☆ مقدمہ تحفۃ الاحوذی:ص۲۹۳

www.KitaboSunnat.com

⑥ شرح الزوائد، از حافظ ابن ملقن عمر بن علی بن احمد بن محمد بن عبداللہ السراج انصاری اندلسی مصری شافعی (م۸۰۴ھ) موصوف حافظ عراقی کے معاصرین میں سے ہیں جنہوں نے بکثرت شروح اور علومِ حدیث میں کتابیں لکھی ہیں۔

⑦ العرف الشذي على جامع الترمذي، از حافظ عمر بن رسلان البلقینی الشافعي (م۸۰۵ھ) موصوف بھی ابن ملقن اور حافظ عراقی کے ہم عصر علوم حدیث اور کثرتِ تصنیف میں مشہور تھے۔

⑧ شرح الترمذي، از حافظ زین الدین عبدالرحیم بن حسین بن عبدالرحیم بن ابی بکر بن ابراہیم عراقی شافعی (م۸۰۶ھ) جو ابن سید الناس کی شرح کا تکملہ ہے، لیکن بقول سیوطی موصوف بھی اس شرح کو مکمل نہیں کر سکے۔ آپ لغت، نحو، قراءات، حدیث، فقہ اور اُصول کے ماہر تھے، لیکن علم حدیث میں زیادہ شہرت پائی۔

⑨ اللب اللباب فيما يقول الترمذي وفي الباب جو حافظ ابن حجر عسقلانی (م۸۵۲ھ) کی تصنیفِ لطیف ہے۔

⑩ قوت المغتذي، از علامہ جلال الدین سیوطی (م۹۱۱ھ) جو فن حدیث میں ید طولی رکھتے تھے۔ علاوہ ازیں تفسیر، فقہ، نحو، معانی، بیان اور بدیع کے بھی ماہر تھے۔

⑪ شرح الترمذي، از علامہ محمد طاہر (صاحب مجمع البحار) (م۹۸۶ھ)

⑫ شرح الترمذي، از ابوطیب سندھی (م۱۱۰۹ھ)

⑬ شرح الترمذي از ابوالحسن محمد بن عبدالہادی سندھی مدنی حنفی (م۱۱۳۹ھ) جو تقریباً چالیس جلدوں پر مشتمل ہے۔

⑭ شرح الترمذي، از علامہ سراج احمد سرہندی (شرح فارسی)[۱۴]

⑮ نفع قوت المغتذي یہ علامہ سید علی بن سلیمان مالکی شاذلی (م۱۲۹۸ھ) کی تالیف ہے۔

⑯ جائزة الشعوذي یہ علامہ بدیع الزمان (م۱۳۱۰ھ) کی تالیف ہے۔

⑰ هدية الآموذعي بنكات الترمذي یہ علامہ ابوطیب محمد شمس الحق ڈیانوی عظیم آبادی کی تصنیف ہے۔

www.KitaboSunnat.com

⑱ الكوكب الدري یہ مولانا رشید احمد گنگوہی (م۱۳۲۳ھ) کی ہے جس میں صرف اختلافی مسائل پر بحث ہے۔

⑲ التقرير للترمذي یہ شیخ مولانا محمود حسن دیوبندی (م۱۳۳۹ھ) کی تصنیف ہے۔

⑳ العرف الشذي یہ علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری حنفی (۱۳۵۲ھ) کی تصنیف ہے۔

㉑ تحفة الأحوذی یہ عظیم شرح علامہ محمد عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری کی ہے (م۱۳۵۳ھ)

㉒ التعليقات على الترمذي یہ شیخ احمد شاکر کی تصنیف ہے۔جس میں خاص طور پر جامع ترمذی کے متن کی تصحیح کا التزام کیا گیا ہے،لیکن افسوس کہ وہ مکمل نہ کر سکے اگرچہ باقی ماندہ پر شیخ فواد عبدالباقی نے کام شروع کیا،لیکن اُنہوں نے زیادہ تر احادیث کی تخریج پر اکتفا کیا اور متن کی تصحیح کا وہ التزام نہ کر سکے جو احمد شاکر نے کیا تھا، بعد میں اس کام کو شیخ ابراہیم عطوہ اُستاذ جامعہ ازہر نے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔(صحاحِ ستہ اور ان کے مؤلفین)

㉓ معارف السنن، از محمد یوسف بنوری حنفی، مقیم کراچی

㉔ رشّ السحاب یہ ایک معاصر مؤلف مولانا فیض الرحمٰن ثوری مدظلہ العالی کی وفي الباب کی احادیث کی تخریج ہے۔

㉕ نزول الثوري یہ مدرسہ دار الہدیٰ پٹنہ کے پرنسپل مولانا اصغر حسین نے حنفی نقطہ نظر سے طلبا کے استفادہ کے لیے ترمذی کی احادیث کے متعلق مختلف قسم کے سولات اور ان کے جوابات لکھے ہیں۔[⑮]

㉖ جائزة الاحوذي على سنن الترمذي یہ محترم حافظ ثناء اللہ مدنی حفظہ اللہ شیخ الحدیث جامعہ لاہور الاسلامیہ کی تالیف ہے اور اس کی ایک جلد طبع ہو چکی ہے۔

'جامع' میں امام ترمذی کی بعض عادات اور اُسلوبِ بیان

جامع ترمذی کا مقام گو صحیح بخاری و مسلم کے بعد ہے، تاہم اس میں بعض ایسے فوائد موجود ہیں جن سے دیگر جملہ کتبِ حدیث یکسر خالی ہیں۔ چنانچہ صاحب تحفة الأحوذي فرماتے ہیں کہ ''امام ترمذی کے جامع میں چند اُسلوب اور عادات درج ذیل ہیں :

⑭ مقدمة تحفة الأحوذي، ص ٢٩٢-٣٠٤ ⑮ صحاح ستہ اور ان کے مؤلفین،ص ۱۵۰،۱۵۱

www.KitaboSunnat.com

① آپ اس باب کا عنوان قائم کرتے ہیں جس میں کسی صحابی سے ایسی مشہور حدیث وارد ہوئی ہو جس کی سند اس صحابی تک صحیح ہو اور وہ کتبِ صحاح میں بھی بیان کی گئی ہو پھر اس باب میں وہی حکم کسی دوسرے صحابی کی حدیث سے بیان کرتے ہیں اور وہ حدیث اس صحابی سے کتبِ صحاح میں موجود نہیں ہوتی اور اس حدیث کی سند بھی ما قبل حدیث کی سند سے مختلف ہوتی ہے مگر اس کا حکم صحیح ہوتا ہے۔ پھر اس کے بعد امام ترمذیؒ وفي الباب عن فلان و فلان کہہ کر صحابہ کی ایک جماعت کے نام ذکر کرتے ہیں جن سے اس معنی کی روایات وارد ہوتی ہیں اور ان میں اس صحابی کا نام بھی بیان کردیتے ہیں جس کی حدیث سے باب کا حکم اخذ کیا گیا ہوتا ہے اور وہ باب کی اصل حدیث کے بعد بیان کی گئی ہوتی ہے۔اس طریق کار سے امام ترمذی کے پیش نظر مندرجہ ذیل مقاصد ہوتے ہیں :

۱۔ علما اس غیر مشہور حدیث پر مطلع ہوجائیں۔

۲۔ حدیث کی سند میں موجود علت کا اظہار کرنا مقصود ہوتا ہے۔

۳۔ اس حدیث میں الفاظ کی کمی وبیشی کا بیان مقصود ہوتا ہے۔

② امام ترمذیؒ پہلے باب کا عنوان قائم کرتے ہیں پھر اسکے تحت ایک یا ایک سے زائد احادیث بیان کرتے ہیں۔ اگر کسی میں کوئی کلام ہو تو اس کی وضاحت کردیتے ہیں۔اس کے بعد وفي الباب عن فلان و فلان سے اس کے متعدد طرق کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

امام سیوطیؒ تدریب الراوی میں فرماتے ہیں:

''امام ترمذیؒ کی اس سے مراد باب میں مذکورہ متعین حدیث نہیں ہوتی بلکہ دیگر وہ احادیث مراد ہوتی ہیں جن کا اس باب میں ذکر کرنا مناسب ہوتا ہے۔''

امام عراقیؒ کہتے ہیں کہ یہی بات صحیح ہے، اگرچہ بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ امام ترمذیؒ جن صحابہ کے نام بیان کرتے ہیں وہ بعینہٖ اس حدیث کو بیان کرنے والے ہوتے ہیں جسے امام صاحب نے باب کے تحت بیان کیا ہوتا ہے حالانکہ بات ایسے نہیں ہے بلکہ کبھی ایسے ہوتا ہے اور کبھی امام ترمذیؒ کی مراد کوئی اور حدیث ہوتی ہے جسے اس باب میں بیان کرنا مناسب ہوتا ہے۔

③ عموماً امام ترمذیؒ وفي الباب عن فلان و فلان کہتے ہیں یعنی صحابہ کے نام ذکر کرتے ہیں لیکن کبھی کبھی عن فلان عن أبيه کہہ دیتے ہیں یعنی صحابی کے بیٹے کا نام ذکر کرتے ہیں جو اپنے باپ سے راویت کررہا ہوتا ہے، مثال کے طور پر امام ترمذی باب لا تقبل

www.KitaboSunnat.com

صلوٰۃ بغیر طھور میں فرماتے ہیں: وفي الباب عن أبي الملیح عن أبیه ان کا یہ فعل مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر ہوتا ہے:

۱۔ اس سے یہ بتانا مقصود ہوتا ہے کہ بعض صحابہ ایسے بھی ہیں جن سے صرف ان کا بیٹا ہی روایت کرتا ہے، بیٹے کے سوا کسی اور کی روایت ان سے ثابت نہیں جیسا کہ أبو الملیح ہے۔ ان کے والد کا نام أسامة بن عمیر هذلي بصري ہے۔

۲۔ صحابی کے نام میں اختلاف کی وجہ سے اس کے بیٹے کا ذکر کردیتے ہیں۔

۳۔ صحابی کے والد کے نام یا نسب وغیرہ میں اختلاف کی وجہ سے بیٹے کا نام لیتے ہیں۔

۴۔ صحابی کا نام صرف ان کے بیٹے کے نام سے مشہور ہوتا ہے۔

④ امام ترمذیؒ کی عام عادت یہ ہے کہ وہ جب کسی باب میں کسی صحابی سے باب کی اصل مشہور حدیث بیان کرتے ہیں تو اپنے اس قول وفي الباب کے بعد اسی صحابی کا نام نہیں دہراتے، مثال کے طور پر جب کسی باب میں حضرت ابوہریرہؓ سے کوئی حدیث بیان کرتے ہیں تو اس کے بعد یہ نہیں کہتے: وفي الباب عن أبي هریرة

⑤ بعض اوقات امام ترمذیؒ باب کا عنوان قائم کرتے ہیں۔ پھر باب کی حدیث بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں: وفي الباب عن فلان یعنی صحابی کا نام ذکر کرتے ہیں۔ پھر اسی صحابی سے وہ حدیث بیان کرتے ہیں جس کی طرف اُنہوں نے اپنے اس قول ''وفي الباب عن فلان'' کے ساتھ اشارہ کیا ہوتا ہے۔ ان کے اس فعل سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ اس مشار الیہ صحابی کی حدیث سے ان کی مراد وہ حدیث ہوتی ہے جسے وہ بعد میں ذکر کردیتے ہیں۔ مثال کے طور پر وہ باب زکاة البقر میں ابن مسعودؓ کی مرفوع حدیث في ثلاثین من البقر تبیع بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں وفی الباب عن معاذ بن جبلؓ پھر ان سے یہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ اُنہوں نے کہا: بعثني النبي إلی الیمن فأمر ني أن آخذ من کل ثلاثین بقرة تبیعا (مقدمہ تحفۃ: ص۳۰۵،۳۰۷)

'معراج المومنین' اور کئی دینی کتب کے مصنف جناب اشفاق الرحمٰن خان گذشتہ ماہ ماڈل ٹاؤن لاہور میں انتقال کرگئے، قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ادارہ

بسلسلہ غامدیت

محمد رفیق چودھری

جاوید احمد غامدی کے من پسند اُصولِ تفسیر

کیا سورۃ النصر مکی ہے؟......ایک جائزہ

نبی اکرم ﷺ چلتا پھرتا قرآن تھے تو صحابہ کرامؓ اس کے شاہد اور امین۔ بلا شبہ قرآنِ کریم کے جواہرات جب نبی ﷺ کی معصوم زندگی کی لڑی میں پروئے جاتے تو یہ ہار صحابہ کی نظروں کو خیرہ کرتا۔ چنانچہ بعد کے مفسرین قرآن پر آپؐ کے اصحابؓ کو یہی امتیاز حاصل ہے کہ قرآنِ مبین اُن کی زبان میں اُترتا تھا اور وہ اپنے سامنے وحی ٔنبوت کا مشاہدہ بھی کرتے تھے۔ ارشادِ گرامی: «ما أنا عليه و أصحابي» کی تعمیل کا ایک تقاضا یہ بھی ہے۔ اسی بنا پر قدیم مفسرین خواہ وہ فلسفی ہوں یا معتزلی (عقل پرست)، سب اس پر متفق نظر آتے ہیں کہ اگر قرآن کی کسی آیت یا سورت کا موقع محل صحابہ کرام متعین کر دیں تو اسے تسلیم کر لیا جائے۔ سورۃ النصر کے موقع محل کے حوالے سے جب حضرت عمرؓ کے سامنے علما کے ایک مجمع میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اسے نبیؐ کے قربتِ وصال کا اشارہ بتایا تو سب نے اس پر صاد کیا، لیکن دورِ حاضر کے ندرت پسند فلسفۂ فطرت (اعتزالی نیچریت) کے اُصولوں سے اس امر کے لیے کوشاں رہتے ہیں کہ قرآنی سُوَر یا آیات کو قرآنِ کریم کے اوّلین مخاطبین کو نظر انداز کر کے اپنے من پسند سانچوں میں جہاں چاہیں، فٹ کریں۔ درج ذیل مضمون اسی غلط 'اُصولِ تفسیر' کی نشاندہی کے لیے لکھا گیا ہے جو ہدیۂ قارئین ہے۔ (محدث)

اہل علم جانتے ہیں کہ سلف و خلف کے تمام مفسرین کے نزدیک سورۂ نصر مدنی ہے اور اس کے مدنی سورہ ہونے پر سب کا اتفاق اور اجماع ہے۔

مگر جناب جاوید احمد غامدی صاحب نے اس متفقہ اور مجمع علیہ امر میں بھی اختلاف پیدا کیا ہے اور ان کو سورۂ نصر کے مکی سورہ ہونے پر اصرار ہے۔ چنانچہ وہ اپنی اُلٹی تفسیر البیان (میں اس تفسیر کو اُلٹی اس لئے کہتا ہوں کہ یہ آخری سورتوں سے شروع ہو کر ابتدائی سورتوں کی طرف چلی آ رہی ہے اور ابھی تک نامکمل ہے) میں لکھتے ہیں:

1 ''سورۃ النصر کا مرکزی مضمون آپؐ کے لئے سرزمین عرب میں غلبہ حق کی بشارت اور

www.KitaboSunnat.com

آپؐ کو یہ ہدایت ہے کہ اس کے بعد آپؐ اپنے پروردگار سے ملاقات کی تیاری کریں۔

سورۂ کافرون کے بعد اور لہب سے پہلے یہاں اس سورہ (النصر) کے مقام سے واضح ہے کہ سورۂ کوثر کی طرح یہ بھی، اُمّ القریٰ مکہ میں رسول اللہ ﷺ کی دعوت کے مرحلہ ہجرت وبراءت میں آپؐ کے لئے ایک عظیم بشارت کی حیثیت سے نازل ہوئی ہے۔''

(البیان: صفحہ ۲۵۲، مطبوعہ ۲۰۰۰ء)

اس سے معلوم ہوا کہ غامدی صاحب سورۂ نصر کو مکی قرار دیتے ہیں اور ''مرحلہ ہجرت و براءت'' کے زمانے میں اس کا نزول بتاتے ہیں۔

❷ اسی بات کو وہ دوسرے مقام پر مختصر اور واضح طور پر یوں فرماتے ہیں کہ

''ساتواں باب سورۂ ملک سے شروع ہوکر سورۂ ناس پر ختم ہوتا ہے۔ اس میں آخری دو یعنی معوذتین مدنی اور باقی سب مکی ہیں۔'' (البیان: صفحہ ۶)

گویا غامدی صاحب کی رائے میں سورۂ نصر بھی مکی ہے کیونکہ وہ بھی سورۂ ملک اور معوذتین کے درمیان واقع ہے۔

❸ البتہ اُن کے نقطہ نظر کو مزید اچھی طرح سمجھنے کے لئے پہلے حوالے میں ایک دریافت طلب بات یہ ہے کہ 'مرحلہ ہجرت و براءت' سے اُن کی کیا مراد ہے تو اسے بھی خود ان کی زبانی سنئے، وہ لکھتے ہیں:

''مرحلہ ہجرت و براءت الماعون ۱۰۷ ...... الإخلاص ۱۱۲''

''قریش کے سرداروں کی فردِ قرار دادِ جرم، اُنہیں عذاب کی وعید اور رسول اللہ ﷺ کے لئے بشارت کہ حرم کی تولیت اب اُن کی جگہ آپؐ کو حاصل ہوگی اور آپ کے دشمنوں کی جڑ اس سرزمین سے ہمیشہ کٹ جائے گی۔ ۱۰۷، ۱۰۸''

''اُمّ القریٰ کے ائمہ کفر سے آپ کا اعلانِ براءت اور سرزمین عرب میں غلبہ حق کی بشارت ۱۰۹، ۱۱۰''

''قریش کی قیادت، بالخصوص ابولہب کا نام لے کر اُس کی ہلاکت کی پیشین گوئی اور نبی ﷺ کی طرف سے، اس مرحلے کے اختتام پر عقیدۂ توحید کے فیصلہ کا اعلان۔ ۱۱۱، ۱۱۲''

(البیان: صفحہ ۱۴)

جاتا ہے۔ ہوگا ۴ میں سب سے پہلے مغربی ہی

www.KitaboSunnat.com

گویا غامدی صاحب کا خودساختہ مرحلہ 'ہجرت و براءت' دراصل ہجرت سے پہلے کا مکی دور ہے اور وہ سورۂ نصر کو اسی دور کی نازل شدہ مکی سورت مانتے ہیں۔

۴ ایک اور مقام پر جناب غامدی قرآنِ مجید کے بارے میں اپنے خود ساختہ 'سات ابواب' میں آخری باب کی وضاحت کرتے ہوئے بھی سورۂ نصر کو مکی سورہ قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ

''یہ قرآن مجید کا ساتواں باب ہے۔ اس میں الملك (۶۷) سے الناس (۱۱۴) تک ۴۸ سورتیں ہیں۔ ان سورتوں کے مضامین، اور اس باب میں ان کی ترتیب سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے پہلی ۴۶ سورتیں اُمّ القریٰ مکہ میں، اور آخری دو الفلق اور الناس ہجرت کے فوراً بعد مدینے میں نازل ہوئیں ہیں۔''

قرآنِ مجید کے دوسرے سب ابواب کی طرح یہ چیز اس باب میں بھی ملحوظ رہے کہ یہ مکی سورتوں سے شروع ہوتا اور مدنیات پر ختم ہوجاتا ہے۔'' (البیان: صفحہ ۱۱)

گویا غامدی صاحب کی رائے میں زمانی اعتبار سے بھی سورۂ نصر ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہونے والی مکی سورت ہے۔ ہمارے نزدیک غامدی صاحب کی مذکورہ رائے نہ صرف یہ کہ غلط ہے بلکہ اجماعِ مفسرین اور اجماعِ اُمت کے بھی خلاف ہے۔ اس سلسلے میں ہم ذیل میں چند معتبر اور مستند تفاسیر کے حوالے پیش کرتے ہیں:

① تفسیر الکشاف از علامہ محمود زمخشری

سورة النصر، مدنية وهي ثلاث آيات ...... روي أنها نزلت في أيام التشريق بمنى في حجة الوداع (تفسیر الکشاف: جلد۴/صفحہ۲۹۳، مطبوعہ مصر)

''سورۂ نصر مدنی ہے، اس کی تین آیات ہیں... روایت ہے کہ یہ سورت ایام تشریق میں منیٰ میں حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی تھی۔''

② تفسیر قرطبی از امام قرطبی

وهي مدنية بإجماع وتُسمّى سورة التوديع، وهي ثلاث آيات وهي آخر سورة نزلت جميعًا. قاله ابن عباس في صحيح مسلم

(الجامع لأحكام القرآن، جلد۱۰/صفحہ۲۲۹)

www.KitaboSunnat.com

''اور وہ (سورۂ نصر) مدنی ہے، اس کے مدنی ہونے پر اجماع ہے۔ اسے سورۂ تودیع (الوداعی سورت) بھی کہتے ہیں۔ اس کی تین آیتیں ہیں۔ یہ آخری مکمل نازل ہونے والی سورت ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابن عباسؓ کا یہی قول نقل ہوا ہے۔''

③ تفسیر ابن کثیر از حافظ ابن کثیر

"تفسير سورة إذا جاء نصر الله والفتح وهي مدنية"

(تفسير القرآن العظيم: جلد۴ رص۵۶۱، مطبوعہ بیروت)

''تفسیر سورہ أذا جاء نصر الله والفتح اور یہ سورة مدنی ہے۔''

④ تفسیر رازی از امام فخر الدین رازی

هذه السورة من أواخر ما نزل بالمدينة.

(تفسير كبير: جلد۳۲ رص۱۵۰، مطبوعہ تہران)

''یہ سورۃ مدینے میں نازل ہونے والی آخری سورتوں میں سے ایک ہے۔''

⑤ تفسیر روح المعانی از علامہ محمود آلوسی

"وتُسمّى سورة إذا جآء، وعن ابن مسعود: أنها تُسمّى سورة التَّوديع لما فيها من الإيماء إلى وفاتِه عليه الصلاة والسلام وتوديعه الدنيا وما فيها ...... وهي مدنية على القولِ الأصح في تعريف المدني...... عن ابن عمر رضى الله عنهما أنه قال: هذه السورة نزلت على رسول الله ﷺ أوسط أيام التشريق بمنى وهو في حجة الوداع" (روح المعانی: ج۱۶ رص۴۵۸)

''اور یہ (سورۂ نصر) سورۂ إذا جآء بھی کہلاتی ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ کا قول ہے کہ اسے سورۂ تودیع (الوداعی سورت) بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں نبی ﷺ کی وفات اور آپؐ کے دنیا و مافیہا سے رخصت ہونے کا اشارہ ملتا ہے۔ اور یہ 'مدنی' کی تعریف کے اصح قول کے مطابق مدنی سورت ہے...... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ سورت حجۃ الوداع کے موقع پر منیٰ میں ایامِ تشریق کے وسط میں رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی۔''

⑥ تفسیر مراغی از احمد مصطفیٰ مراغی

هي مدنية وآياتها ثلاث، نزلت بعد التوبة (تفسیر مراغی: جلد۳۰ رصفحہ۲۵۷)

''یہ (سورۂ نصر) مدنی سورت ہے، اسکی تین آیتیں ہیں اور یہ سورۂ توبہ کے بعد نازل ہوئی۔''

www.KitaboSunnat.com

پھر آگے چل کر علامہ مراغی لکھتے ہیں :

"وقد فَهِم النبي ﷺ من هذا أن الأمر قد تمَّ. ولم يبقَ إلا أن يَلْحَق بالرفيقِ الأعلىٰ" (تفسير مراغي: جلد۳۰/صفحہ۲۶۰)

"اوراس سورت کے نازل ہونے سے نبیﷺ نے یہ بات سمجھ لی کہ اب کام ختم ہوچکا ہے۔ اب صرف 'رفیق اعلیٰ' سے ملنا باقی رہ گیا ہے۔"

⑦ تفسیر جلالین از علامہ محلی وسیوطی

"سورة النصر نزلت بمنى في حجة الوداع فتعد مدنية وهي آخر ما نزل من السور وآياتها ثلاث" (جلالین: جلد۱/صفحہ۸۲۵،مطبوعہ قاہرہ)

"سورۂ نصر منیٰ میں حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی۔ اسے مدنی شمار کیا گیا ہے اور یہ نازل ہونے والی سورتوں میں سے آخری ہے، اس کی آیتیں تین ہیں۔"

⑧ فتح القدیر از امام شوکانی

"إذا جاء نصر الله والفتح وتسمى سورة التوديع هي ثلاث آيات وهي مدنية بلا خلاف" (فتح القدیر: جلد۵/صفحہ۷۲۴)

"یہ سورہ إذا جاء نصر الله والفتح ہے اور یہ الوداعی سورہ بھی کہلاتی ہے۔ اس کی آیات تین ہیں۔ اوراس کے مدنی ہونے میں کسی کا بھی اختلاف نہیں۔"

⑨ البرہان فی علوم القرآن از بدرالدین زرکشی

یہ اگرچہ تفسیر کی کتاب نہیں ہے لیکن علوم القرآن کے موضوع پر سند کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کی چار جلدیں ہیں۔ اس میں سورۂ إذا جاء نصر الله یعنی سورۂ نصر کو بالاتفاق مدنی سورتوں کی فہرست میں شمار کیا گیا ہے۔ (ملاحظہ ہو: البرہان فی علوم القرآن، جلداول/صفحہ۱۹۴)

⑩ تدبر قرآن از مولانا امین احسن اصلاحی

یہ جناب جاوید احمد غامدی کے 'استاذ امام' کی تفسیر ہے جو پہلے ۸ جلدوں میں اور اَب ۸جلدوں میں شائع ہورہی ہے۔ اس میں بھی سورۂ نصر کو 'بالاتفاق مدنی' قرار دیا گیا ہے۔ اور اصلاحی صاحب اسے صلح حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ سے پہلے کی نازل شدہ مدنی سورت مانتے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ

''ہجرت اور فتح و نصرت کے درمیان یہی وہ رشتہ ہے جس کے سبب سے یہ سورہ جو بالاتفاق مدنی ہے، ایک مکی سورہ کی مثنیٰ قرار پائی۔ اس سورہ کے زمانۂ نزول سے متعلق دو قول ہیں: ایک یہ کہ فتح مکہ کے بعد نازل ہونے والی سورتوں میں یہ سب سے آخری سورہ ہے۔ دوسرا یہ کہ یہ فتح مکہ سے پہلے اس کی بشارت کے طور پر نازل ہوئی ہے۔ میرے نزدیک اسی دوسرے قول کو ترجیح حاصل ہے۔'' (تدبر قرآن: جلد۹ رصفحہ ۶۱۵، ۶۱۶)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ تمام مفسرین اور علماے امت کے نزدیک سورۂ النصر مدنی سورت ہے۔ اس کے مدنی ہونے پر اجماعِ امت ہے اور امام قرطبی نے، جیسا کہ اُوپر مذکور ہوا، اس پر اجماع نقل کیا ہے اور امام شوکانیؒ کہتے ہیں کہ اس بارے میں کسی کا بھی اختلاف نہیں۔

☜ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر ایک اجماعی اور متفق علیہ امر میں اختلاف پیدا کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

میرے نزدیک اس کا واحد سبب جناب غامدی صاحب کے وہ من گھڑت، خود ساختہ اور موضوعہ اُصولِ تفسیر و اُصولِ دین ہیں جن کا لازمی نتیجہ اُمت کے متفقہ اور مجمع علیہ مسائل میں بھی اختلاف کی صورت میں نکلتا ہے اور جس سے اُمت میں افتراق و انتشار پیدا ہوتا ہے۔

چنانچہ حدِ رجم کا مسئلہ ہو یا مرتد کی سزا کا، جہاد و قتال کا حکم ہو یا قراءاتِ سبعہ کا، حدود میں عورت کی گواہی کا مسئلہ ہو یا دیت کا، وحیِ خفی کی بات ہو، یا عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ آسمان پر اُٹھا لینے کی یا پھر رسولوں کا قتل ممکن ہونے کی؛ وہ ہر معاملے میں اُمت سے الگ کھڑے نظر آتے ہیں اور غير سبيل المؤمنين پر چلتے دکھائی دیتے ہیں۔ ع

بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا

اس کے باوجود ان کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ تعامل اُمت (جسے وہ 'سنت' کی اصطلاح بتاتے ہیں) کو مستند، معتبر اور حجت مانتے ہیں۔ ع

جنابِ شیخ کا نقشِ قدم یوں بھی ہے اور یوں بھی!

محدث کا گزشتہ شمارہ 'حدود قوانین پر اشاعتِ خاص' کی وجہ سے محدود تعداد میں باقی رہ گیا ہے
دل چسپی رکھنے والے حضرات فوری رابطہ کریں! ادارہ

www.KitaboSunnat.com

شعروادب

محمد رفیق چودھری

غامدی نامہ

تقریر تیری ، ساحری
تحریر تیری ، منطقی
کیا خوب تیری شاعری
تو ذات کا ککّے زئی
جاوید احمد غامدی

'مودودی' نے پالا تجھے
'اصلاحی' نے ڈھالا تجھے
طاغوت اب لایا تجھے
'مُلا' سے تیری دشمنی
جاوید احمد غامدی

کونسل کا تو ممبر بھی ہے
ٹی وی کا دانشور بھی ہے
اندر بھی ہے، باہر بھی ہے
اے منکر وحیٔ خفی!
جاوید احمد غامدی

کتنے ہی تیرے ہم سفر
کرتے رہے تجھ سے حَذر
جس کا سبب یہ تھا مگر
ہے بے مروّت آدمی
جاوید احمد غامدی

جب جھوٹ مسجد میں کہا
تھا سامنے قرآں دھرا
یوں تُو 'جماعت' سے گیا
پائی نئی پھر روشنی
جاوید احمد غامدی

www.KitaboSunnat.com

معنی 'سنت' بھی غلط ؟ | 'اِجماعِ اُمت' بھی غلط
'سبعہ قراءت' بھی غلط؟ | مرتد کی حد ساقط ہوئی

جاوید احمد غامدی

تصویر زندہ کی درست؟ | رقص اور موسیقی درست؟
ختم کے معنی درست ؟ | کیا مرچکے عیسیٰ نبیؑ ؟

جاوید احمد غامدی

اے ناقد حکم جہاد! | تاویل باطل کا فساد
اے 'بش' 'بلیئر' کی مراد! | 'پرویز' و 'مرزا' کی کڑی

جاوید احمد غامدی

اے منکر شرعِ متین! | اے حامئ اعداے دین!
'روشن خیالی' را گزین! | تو از کجا بر آمدی؟

جاوید احمد غامدی

أَنْكَرْتَ حَدَّ الْمُرْتَدِ | بَدَّلْتَ دِيْنَ أَحْمَدِ
لاَ تَصْلُحُ، لاَ تَـهْتَدِيْ | أَنْتَ كَضَآلٍّ مُلْحِدِ

اَلْغَامِدِيُّ الْغَامِدِيْ

❊ ❊ ❊

جاتا ہے۔ ہوگا ہم میں سب سے پہلے مغربی ہی

www.KitaboSunnat.com

LRL No. 183
Vol. 38 NO.7
Monthly MUHADDIS Lahore
5866476
5866396

عناد اور تعصب قوم کے لیے زہرِ ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں

لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر اِفہام وتفہیم اُمت کے لیے رحمت کا باعث ہے۔

علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکارِ انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں

لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے

لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیتِ دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالِح دینیہ کے خلاف ہے

لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین ومسائلِ اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

آئین وسیاست سے بیگانہ ہو کر عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے

لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے

لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات ومحاسن سے مزین پائیں گے، اِن شاء اللہ! کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

قیمت فی شمارہ ۲۰ روپے — زرِ سالانہ ۲۰۰ روپے

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL 99-J, Model Town, Lahore 54700